

متقدمین کے نزدیک ناصدیت کی تہمت لگانا رافضیت کی علامت ہے

icamombi

علی رضی اللہ عنہ کے پاس زبیر رضی اللہ عنہ کا سر لایا جانا

icamombi

تین طلاق سے متعلق اثر حسن رضی اللہ عنہ کی تحقیق

icamombi

بچوں کے درمیان عدل: فوائد و ثمرات

icamombi

مشکل کے ساتھ آسانی ہے

icamombi

امت مسلمہ کی وسطیت

یزید

شعبان بیدار صفاوی

وہ تیری فوج، تری جلوہ گاہ کیسی تھی
ترے جہاں کی سپاہ تباہ کیسی تھی
تجھے خبر تھی کہ زہرا کا لال آئے گا
علی کا پیار نبی کا جمال آئے گا
گلاب آل نبی حالت سفر میں، تو
جمال شام میں آرائش حضر میں تو
تو باخبر تھا ہراک بات سے یہ سچ ہے اگر
تو کیوں نہ پھول بچھائے تھے تو نے راہوں میں
دھواں سا اٹھنے لگا کیوں ترے چراغوں میں
سنجانا تو ترا کام تھا رذیلوں کو
بنے تھے جھوٹ کے شیعہ جو ان ذلیلوں کو
نبی کے لعل کا جب بھی خیال آتا ہے
یزید لب پہ تمہارا بھی نام آتا ہے
مرے حسین کا وہ پاک پاک سرخ لبو
مرے نبی کا گھرانہ، مرے حضور کے لوگ
تباہ ہو گئے ظالم!!! یہ کونسا خنجر
یہ خون آل نبی ہے ضرور بولے گا
خیال بولے گا سب کا شعور بولے گا
مرے حسین کا جب بھی ذکر آئے گا
تو تیرا نام بھلا کون روک پائیگا

یزید تجھ کو بشارت ارم کی ہے، سچ ہے
ترے جلو میں طبیعت حرم کی ہے، سچ ہے
یہ سچ ہے آل نبی کا وفا شعار بھی تھا
یہ سچ ہے ساری حکومت کا تاجدار بھی تھا
غلط نہیں کہ صحابی کا نیک بیٹا ہے
تو تابعی ہے بہار حرم میں لیٹا ہے
ترا عقیدہ تری فکر، تیرا کام صحیح
درست بات یہی ہے کہ تیرا نام صحیح
تری عظیم حکومت پہ مجھ کو شک تو نہیں
کہیں سے بیعت اصحاب میں لپک تو نہیں
میں جانتا ہوں کہ ابن سبا کے چیلوں نے
نفاق و کفر و دغا کے حسین میلوں نے
نبی کے آل کا بھرتے تھے دم ہمیشہ جو
چلاتے رہتے تھے سچ سچ کے روز تیشہ جو
وہی ہیں قاتل نور نبی حسن کے وہی
وہی حسین کے قاتل، رخ سمن کے وہی
مگر حسین کا جب بھی نام آتا ہے
تو فرط غم میں جو کانٹوں پہ لوٹ جاتا ہوں
میں اپنی روح کے پردے کھسوٹ جاتا ہوں
غم حسین کی جب دل پہ چوٹ لگتی ہے
تو تیرے نام کا پانسنگ جاگ جاتا ہے
معاف کرنا کہ میں ہوں غلام آل نبی
مری عقیدت روشن، گل خیال نبی
ارے کہ چشم مآل نبی، جمال نبی

Ahlus Sunnah Volume No.8, Issue No.104, September 2020

جلد: ۸

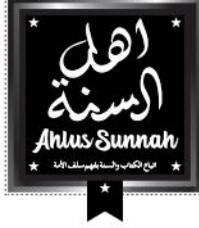
فی شماره - 30/- Rs.

شماره: ۱۰۴

سالانه - 300/- Rs.

ستمبر ۲۰۲۰ء

ماہنامہ



سرپرست: رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
نگراں: عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنبلی
نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمن سنبلی
معاونین: ابوالبدیان رفعت سلفی
فوریٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی
حافظ امتیاز احمد رحمانی
گراؤف ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد ٹیل

جلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمن فیضی • دکتور عبید الرحمن مدنی
• شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

میگزین ممبرشپ رابطہ نمبر: 8291063765 / 022-26500400

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

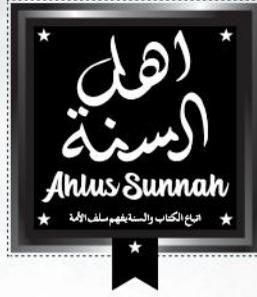
Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836
Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal
Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181



05

ایڈیٹر

متقدمین کے نزدیک ناصیبت کی تہمت لگانا افضیت کی علامت ہے

06

کفایت اللہ سنابلی

تین طلاق سے متعلق اثر حسن رضی اللہ عنہ کی تحقیق

09

سید انور شاہ راشدی

چار دن قربانی اور سعید بن عبدالعزیز التتوخی کا اختلاط۔۔!

16

عبد اللہ الباقی آسلم

امت مسلمہ کی وسطیت (آٹھویں قسط)

19

کفایت اللہ سنابلی

تین طلاق اور علی رضی اللہ عنہ

30

محبوب انصاری

علی رضی اللہ عنہ کے پاس زبیر رضی اللہ عنہ کا سر لایا جانا

33

عتیق الرحمن سلفی

بچوں کے درمیان عدل: فوائد و ثمرات

38

ابوالبلیان رفعت سلفی

ناشکری کے اسباب اور اس کی عبرت ناک سزائیں

45

ابوسفیان ہلالی

مشکل کے ساتھ آسانی ہے

46

تحریر: عائشہ نوریہ

یوم عاشوراء اور محرم الحرام

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

مقدمین کے نزدیک ناصبیت کی تہمت لگانا رافضیت کی علامت ہے۔

ایڈیٹر

آج کل ہر اس شخص کو لوگ سنی سمجھ بیٹھتے ہیں جو دوسروں پر ناصبیت کا فتویٰ جڑ دے، لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ دوسروں پر ناصبیت کا فتویٰ لگانے والے اکثر رافضی ہوتے ہیں، اور ناصبیت کی اصطلاح رافضیوں ہی کی ایجاد کردہ ہے، تیسری صدی ہجری تک کسی بھی سنی عالم نے کسی دوسرے سنی عالم کو ناصبی نہیں کہا ہے، بلکہ اس دور میں اگر کوئی شخص کسی کو ناصبی کہتا تھا تو یہ اس کے رافضی ہونے کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۴) سے منقول ہے: ”ومن قال: فلان ناصبی علمنا أنه رافضی“

”جو کہتا تھا کہ فلاں ناصبی ہے تو ہم جان لیتے تھے کہ وہ رافضی ہے“ [شرح أصول اعتقاد أهل السنة: ۱/۱۶۶]

اس کی سند کے بعض رواۃ کا ترجمہ نہیں مل سکا مگر علی بن المدینی رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابو حاتم الرازی (المتوفی: ۲۷۷) نے بھی یہی بات کہی ہے اور اسے اپنے دور کے تمام علماء کی طرف منسوب کیا ہے، کماسیاتی، اس سے اس نقل کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس نسبت میں ان کے استاذ علی بن المدینی رحمہ اللہ بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔

امام ابو حاتم الرازی (المتوفی: ۲۷۷) اور امام ابو زرہ الرازی (المتوفی: ۲۶۴) رحمہما اللہ نے کہا:

”وعلامة الرافضة تسميتهم أهل السنة ناصبة“

”رافضیوں کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو ناصبی کہتے ہیں“ [شرح اعتقاد أهل السنة للالكائي: ۱/۲۰۱، وإسناده

صحيح، أصل السنة واعتقاد الدين للرازيين: (ق/۱۶۸ب) وإسناده صحيح وانظر: تكحيل العينين: ص: ۲۲۲]

یادر ہے کہ یہ صرف ان دو ائمہ ہی کا کہنا نہیں ہے بلکہ ان کے دور کے تمام علماء کا یہی ماننا تھا، جیسا کہ امام ابو حاتم رازی اور امام ابو زرہ رازی نے یہ بات کہنے سے پہلے اس کی صراحت اس طرح کی ہے:

”أدر كنا العلماء في جميع الأمصار حجازا وعراقا وشاما ويمنا فكان من مذهبهم.....“

”ہم نے تمام شہروں، حجاز، عراق، شام، یمن کے علماء کو پایا ہے ان سب کا ماننا یہ تھا کہ..... (حوالہ مذکور)

امام ابو محمد الحسن بن علی بن خلف البرہاری (المتوفی: ۳۲۹) نے کہا:

”وإذا سمعت الرجل يقول: فلان ناصبي فاعلم أنه رافضی“

”جب تم کسی شخص کو کہتے ہوئے سُنو کہ: فلاں ناصبی ہے، تو جان لو کہ وہ رافضی ہے“ [شرح السنه للبرہاری: ص: ۱۱۸،

طبقات الحنابلة: ۲/۳۶۱]

لہذا آج بھی کسی کی زبان سے ناصبی کا لفظ سنائی دے تو اس کے بارے میں اچھی طرح تفتیش کر لینا چاہئے۔

تین طلاق سے متعلق اثر حسن رضی اللہ عنہ کی تحقیق

کفایت اللہ ساجلی

بعض لوگ نواسہ رسول حسن رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ ایک ساتھ دی گئی تین طلاقیں تین واقع ہو جاتی ہیں، حالانکہ یہ اثر موضوع اور من گھڑت ہے ذیل میں اس کی تحقیق ملاحظہ ہو:

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتونی: ۳۸۵) نے کہا:

نا أحمد بن محمد بن زیاد القطان، نا إبراهيم بن محمد، نا إبراهيم بن محمد بن محمد بن الهيثم صاحب الطعام، نا محمد بن حميد، نا سلمة بن الفضل، عن عمرو بن أبي قيس، عن إبراهيم بن عبد الأعلى، عن سويد بن غفلة، قال: كانت عائشة الخثعمية عند الحسن بن علي بن أبي طالب رضي الله عنه، فلما أصيب علي وبويع الحسن بالخلافة، قالت: لتنهك الخلافة يا أمير المؤمنين، فقال: يقتل علي وتظهر بين الشمامة اذهبي فأنت طالق ثلاثا، قال: فتلفعت نسا جها وقعدت حتى انقضت عدتها وبعث إليها بعشرة آلاف متعة وبقية بقي لها من صداقها، فقالت: متاع قليل من حبيب مفارق، فلما بلغه قولها بكى وقال: لولا أني سمعت جدى، أو حدثني أبى، أنه سمع جدى يقول: أيما رجل طلق امرأته ثلاثا مبهمة أو ثلاثا عند الإقراء لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره لراجعتها

سويد بن غفلة کہتے ہیں کہ عائشہ خثعمیہ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، تو جب علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو ان کی اس بیوی نے کہا: امیر المؤمنین آپ کو خلافت مبارک ہو، تو حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر تو خوشی کا اظہار کرتی ہے، یہاں سے نکل جا تجھے تین طلاق ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر ان کی بیوی نے کپڑوں سے خود کو ڈھانک لیا اور گھر میں بیٹھ گئی اور جب عدت ختم ہو گئی تو حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس دس ہزار زائد اور بقایا مہر بھجوا دیا، تو ان اس نے کہا: بچھڑے محبوب کے مقابلہ میں یہ مال و متاع کچھ نہیں ہے، حسن رضی اللہ عنہ تک جب اس کی یہ بات پہنچی تو وہ رو پڑے اور کہا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ نہ سنا ہوتا اور مجھ سے میرے والد نے یہ نہ بتایا ہوتا کہ انہوں نے میرے نانا سے سنا ہے کہ جو شخص بھی اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاق دے دے یا الگ الگ تین طہر میں تین طلاق دے ڈالے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ

دوسرے شوہر سے شادی نہ کر لے تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔ [سنن الدارقطنی، ت الارنؤوط: ۵۵/۵، وأخرجه الطبرانی فی معجبه: ۹۱/۳، طریق علی بن سعید، والبیہقی فی سننه: ۴۱۹/۷، من طریق محمد بن ابراہیم بن زیاد الطیالسی، کلہم (ابراہیم بن محمد وعلی بن سعید و محمد بن ابراہیم) من طریق محمد بن حمید بہ۔ وأخرجه أيضا الدارقطنی فی سننه رقم: ۵۶/۵، فقال: نا أحمد بن محمد بن سعید، نا یحیی بن إسماعیل الجریری، نا حسین بن إسماعیل الجریری، نا یونس بن بکیر، نا عمرو بن شمر، عن عمران بن مسلم، وإبراہیم بن عبد الأعلى، عن سوید بن غفلة بہ]

یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ سند میں ”محمد بن حمید رازی“ موجود ہے جو کذاب تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

”فِيهِ نَظْرٌ“ ”اس میں نظر ہے“ [التاریخ الكبير للبخاری: ۶۹/۱]

امام جوزجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۹) نے کہا:

”كان ردىء المذهب، غير ثقة“ ”یہ برے مذہب والا اور غیر ثقہ تھا“ [أحوال الرجال

للجوزجانی: ص: ۳۵۰]

أبو حاتم محمد بن إدريس الرازي، (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

”هذا كذاب“ ”یہ کذاب یعنی بہت بڑا جھوٹا ہے“ [الضعفاء لابی زرعہ الرازی: ۷۳۹/۲]

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:

”كان ممن ينفرد عن الثقات بالأشياء المقلوبات“ ”یہ ثقات سے تنہا الٹ پلٹ چیزیں روایت کرتا

ہے“ [المجروحین لابن حبان: ۳۰۳/۲]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

”حافظ ضعيف“ ”یہ حافظ اور ضعیف ہے“ [تقریب التهذیب لابن حجر: رقم: ۵۸۳۴]

خان بادشاہ بن چاندی گل دیوبندی لکھتے ہیں:

کیونکہ یہ کذاب اور اکذب اور منکر الحدیث ہے۔ [القول المبین فی اثبات التراویح العشرین والرد علی الالبانی

المسکین: ص: ۳۳۴] نیز دیکھئے: رسول اکرم کا طریقہ نماز از مفتی جمیل صفحہ ۳۰۱۔

دارقطنی کی دوسری سند میں ”عمرو بن شمر“ ہے۔

یہ بھی کذاب اور جھوٹا راوی ہے۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

”کان ضعیفا جدا متروک الحدیث“ ”یہ سخت ضعیف اور متروک الحدیث تھا“ [الطبقات الکبری ط دار

صادر: ۳۸۰/۶]

امام جوزجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۹) نے کہا:

”کذاب“ ”یہ بہت بڑا جھوٹا ہے“ [أحوال الرجال للجزجانی، ت البستوی: ص: ۷۳]

امام أبو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

”منکر الحدیث جدا ضعیف الحدیث لا یشغل بہ ترکوہ“ ”یہ سخت منکر الحدیث ہے اس کی حدیث

نہیں لی جائے گی لوگوں نے اسے ترک کر دیا ہے“ [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم، ت المعلمی: ۲۳۹/۶]

امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳) نے کہا:

”متروک الحدیث کوفی“ ”یہ متروک الحدیث کوفی ہے“ [الضعفاء والمتروکون للنسائی: ص: ۸۰]

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:

”کان رافضیا یشتم أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ممن یروی الموضوعات

عن الثقات فی فضائل أهل البيت و غیرها“

”یہ رافضی تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالیاں دیتا تھا، یہ اہل بیت کے فضائل وغیرہ میں ثقات

سے جھوٹی احادیث روایت کرتا تھا“ [المجروحین لابن حبان، تراید: ۷۵/۲]

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵) نے کہا:

”کوفی، متروک“ ”یہ کوفی متروک الحدیث ہے“ [سؤالات البرقانی للدارقطنی، ت الأزهری: ص: ۱۱۳]

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

”رافضی متروک“ ”یہ رافضی اور متروک ہے“ [دیوان الضعفاء: ص: ۳۰۳]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

”متروک“ ”یہ متروک ہے“ [التمییز لابن حجر، ت دکتور الثانی: ۵۶۰/۲]

اس کے علاوہ اس سند میں ”یحییٰ بن اسماعیل الجری“ اور ”حسین بن اسماعیل الجری“ غیر معروف ہے، نیز

أحمد بن محمد بن سعید“ پر بھی کافی کلام ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

چار دن قربانی اور سعید بن عبد العزیز التنوخی کا اختلاط!۔۔۔

سید انور شاہ راشدی

ہمارے فاضل دوست شیخ ابوالفوز ان کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ نے ”چار دن قربانی“ کی مشروعیت پر ایک مفصل و مدلل کتاب تالیف کی ہے جسے علمی و تحقیقی حلقوں میں بہت سراہا گیا، واللہ الحمد۔ مگر جہاں اس کتاب کی تحسین کی گئی وہاں بعض حضرات نے اسے تنقید کا نشانہ بھی بنایا جو اس بات کی علامت ہے کہ کتاب الحمد للہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی ہے جس نے موافق و مخالف دونوں حلقوں کو متاثر کیا ہے۔ ابھی حال ہی میں ایک صاحب نے شیخ سنابلی حفظہ اللہ کی کتاب پر ایک تنقیدی مضمون بعنوان ”تحقیق حدیث: ایام تشریق“ لکھا جسے سوشل میڈیا وغیرہ پر بھی نشر کیا گیا۔

یہ مضمون نگار موصوف ایک طرف تو آغاز ہی میں افسوس کا اظہار کرتے ہوئے شیخ کفایت اللہ سنابلی سے شکوہ کناں ہیں کہ وہ شیخ زبیر رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ کا بے ادبی سے تذکرہ کرتے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ خود بھی ان صاحب نے اپنی اسی تحریر میں نہایت سوچا نہ لہجے اور غلیظ انداز میں شیخ سنابلی پر کچھڑا اچھالا اور بے ادبی کی ہے۔ دوسروں سے شکوہ کرنے سے قبل موصوف کو ذرا اپنے گریبان میں بھی جھانک لینا چاہئے۔

آنجناب نے شیخ سنابلی کو ”.....“، ”.....“ اور ”.....“ جیسے القابات سے نواز کر اپنی دریدہ ذہنی اور تربیت میں کمی کا بھرپور ثبوت دیا ہے۔ کہنا ہم یہ چاہتے ہیں کہ شکوہ تب ہو سکتا ہے جب اپنا دامن ان چیزوں سے پاک و صاف ہو۔ بصورت دیگر خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ اور ویسے آپ کے حلقے کی طرف سے عموماً جو زبان استعمال ہوتی ہے، اس کے بعد ایسا کوئی شکوہ آپ حضرات کو زیب نہیں دیتا۔

اس کے بعد ہم اس مضمون میں زیر بحث ایک بنیادی بحث کی وضاحت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ موصوف نے اپنے مضمون کی جس امر پر بنیاد رکھی ہے وہ نہ صرف کہ ائمہ حدیث کے نزدیک بر خود غلط ہے بلکہ وہ جناب کے مقتدا محترم شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے بھی موافق نہیں ہے۔ اس لیے موصوف ایک ایسی راہ یہ تنہا سرپٹ دوڑے جا رہے ہیں جس میں کوئی اپنا ان کا ہمہ انہیں۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ابو نصر التمار عبد الملك بن عبد العزيز القشيري، حدثنا سعيد بن عبد العزيز التنوخي عن سليمان بن موسى عن عبد الرحمن بن ابي حسين عن جبير بن مطعم قال: قال رسول الله ﷺ: ”كلُّ عرفاتٍ موقفٌ وارفعوا عن عُرنَةٍ، و كلُّ مزدلفةٍ موقفٌ وارفعوا عن مُحَسَّرٍ، فكلُّ فجاجٍ مني منحرٌ، و في كلِّ أيامِ التشريقِ ذبْحٌ“ [صحيح ابن حبان: ح: ۳۸۵۴]

موصوف نے شیخ سنابلی کی درج بالا منقول حدیث پر چند اعتراضات وارد کر کے اسے ”ضعیف و منکر اور مردود“ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ دیگر اعتراضات کا تفصیلی جواب تو شیخ سنابلی اور ان کے دفاع میں نشر کردہ تحریروں میں آچکا ہے، یہاں سر دست ہم ایک اعتراض کا جائزہ لینگے، اور وہ ہے ”سعید بن عبد العزیز التنوخی“ کا اختلاط۔۔۔!

موصوف درج بالا حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(جناب عرض ہے کہ یہ روایت سنداً و متناً مضطرب، منکر و ضعیف و مردود ہے)

پہلی علت: امام سعید بن عبد العزیز التنوخی آخر عمر میں تغیر یعنی اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔

(۱) امام ابو مسھر رحمہ اللہ نے کہا: ”قد اختلط قبل موته....“ ”آپ کو موت سے پہلے اختلاط ہو گیا تھا“ [تاریخ

ابن معین: ۲/۴۰۷]

(۲) امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے کہا: ”تغیر قبل موته“ ”موت سے پہلے آپ کو تغیر (حفظ) ہو گیا تھا“ [سؤالات ابو

عبید الآجری: ۲/۲۱۰ ت: ۱۶۲۰]

(۳) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ”..... لكنه اختلط في آخر امره“ ”لیکن وہ آخر میں اختلاط کا شکار

ہو گئے۔ [تقریب التہذیب: ترجمہ: ۲۳۵۸]

(۴) امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: ”وقد اشار حمزة الكناني الى انه تغير بآخرة“ [المعنى فى الضعفاء: ۱]

۳۸۰ ت: ۲۴۲۶] نیز دیکھئے: [میزان الاعتدال: ۱۴۹/۲]

(۵) امام برہان الدین ابراہیم بن محمد بن خلیل المعروف بـ سبط ابن العجمی الحنفی رحمہ اللہ نے مختلط راویوں میں ذکر

کیا اور کہا:

” اشار حمزة الكناني الى انه تغير بآخرة ، و قال ابو مسهر كان قد اختلط قبل موته “ [نہایة

الاجیاط بمن رمى من الرواة بالاختلاط: ص: ۱۳۶، ت: ۴۲]

(۶) دکتور برکات بن احمد زید الدین ابن الکیال (المتوفی: ۹۲۹ھ) نے کہا: ”وقال أبو مسهر: كان قد اختلط قبل موته. كذا قال صاحب التهذيب، وقال حمزة الكنانی إنه تغیر. و ذكره صاحب الاغتباط فی جملة من رمی بالاختلاط“ [الكواكب النيرات: ص: ۲۱۹]

(۷) الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”إسناده ثقات لولا أن التلوخي كان اختلط فی آخر عمره“ [صحيح ابن خزيمة: ۲۶۴/۳ ح: ۲۰۳۸]

(۸) امام صلاح الدین العلاء نے مختلط راویوں میں ذکر کیا۔ [كتاب المختلطين: ص: ۴۳]

(۹) دکتور عبد الجبار سعید نے مختلط راویوں میں ذکر کیا۔ [اختلاط الرواة الثقات: ص: ۲۸۱]

امام عبد الملک بن عبد العزیز القشیری ابونصر التمار کا امام سعید بن عبد العزیز التتوخی سے سماع قبل از اختلاط کسی بھی ٹھوس دلیل سے ثابت نہیں۔ طحاوی کی روایت میں عبد اللہ بن یوسف ہے، عبد اللہ بن یوسف کا سماع بھی امام سعید بن عبد العزیز التتوخی سے قبل از اختلاط ثابت نہیں۔

جو لوگ اس حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کے دعوے دار ہیں وہ حضرات ابونصر التمار کا امام سعید بن عبد العزیز التتوخی سے قبل از اختلاط سماع ثابت کریں۔

یہ تھے موصوف کے دلائل۔۔۔!

اب آگے بڑھنے سے قبل ہم موصوف سے ایک دلچسپ سوال پوچھنا چاہیں گے کہ کیا دسویں صدی ہجری میں دکتور (ڈاکٹر) ہوا کرتا تھا جو انہوں نے سعید بن عبد العزیز کا اختلاط نقل کرتے ہوئے (رقم ۶) پر ”علامہ برکات بن احمد زید الدین ابن الکیال“ (المتوفی: ۹۲۹ھ) کو ”دکتور برکات بن احمد زید الدین ابن الکیال“ (المتوفی: ۹۲۹ھ) کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔۔۔!؟

موصوف یا تو عجلت کا شکار ہو گئے ہیں یا غفلت کا کہ دسویں صدی ہجری کے عالم کو ”دکتور“ کا لقب دے دیا ہے۔ یہ خود موصوف ہی طے کریں گے۔

قارئین کو موصوف کی عجلت و عدم تدبر کی محض ایک جھلک دکھانا مقصود ہے کہ علماء پر تنقید کرنے اور نازیبا جملے کہنے والوں کا اپنا آخر یہ حال ہے۔۔۔!!!

آگے چلئے! اب ہم اصل موضوع پر آتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ محدثین نے سعید بن عبد العزیز کو ”تغیر“ و ”اختلط“ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ اور ایسی کوئی تصریح

بھی ہماری نظر سے نہیں گزری جس میں ان سے قبل از اختلاط و بعدہ سماع کرنے والوں کے مابین تفریق و تمیز کی گئی ہو۔ لیکن یاد رہے کہ اس راوی کا یہ اختلاط مضر نہیں، جیسا کہ اہل علم نے اس کی صراحت کر رکھی ہے۔ اور اس کی دو وجہیں ہیں:

- ۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کا اختلاط بہت قلیل مدت تھا جس کے بعد یہ جلد ہی وفات پا گئے۔
- ۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اختلاط کے بعد حدیث بیان ہی نہیں کی اور نہ کسی کو خود سے روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔

ذیل میں اس کی مدلل وضاحت ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ مسند احمد کے محققین علامہ شعیب ارناؤوط لکھتے ہیں:

قلنا: ”فی إسناد المرسل سعيد بن عبد العزيز التنوخي الدمشقي، اختلط في آخر عمره، غير أنه لم يذكر الأئمة من سمع منه قبل الاختلاط أو بعده، فالظاهر أنه لم يحدث حال اختلاطه، وهو من أخص أصحاب مكحول“ [مسند أحمد: ۲۸/۳۷۱-۳۷۱]

۲۔ مسند ابی عوانہ کے محققین لکھتے ہیں:

”وسعيد بن عبد العزيز هو التنوخي الدمشقي، ثقة إمام..... لكنه اختلط في آخر عمره، ولم أقف على نصٍّ لأحدٍ من الأئمة يُحدِّدُ مَنْ سمع منه قبل اختلاطه أو بعد ذلك، ولعلَّ ذلك يرجع إلى قصرِ مدَّةِ تغيُّره، أو تضاؤلِ التغيُّر“ [مستخرج أبي عوانة ط الجامعة الإسلامية: ۶۰/۵]

۳۔ علامہ البانی رحمہ اللہ کے شاگرد شیخ مشہور حسن لکھتے ہیں:

أقول: ”رواته كلهم ثقات، لكن سعيد بن عبد العزيز اختلط، وبعضهم قال: تغيُّر، ولم يذكره من روى عنه بعد الاختلاط، وأخشى أن لا يكون أحد سمع منه بعد الاختلاط“ [إعلام الموقعين عن رب العالمين ت مشهور: ۵۸۵/۶]

۴۔ موصوف نے سعید کے اختلاط کے حوالے سے علامہ البانی سے بھی ایک قول نقل کیا ہے جس میں اسے خفیف اختلاط پر محمول کرتے ہوئے اسے غیر مضر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

”أو أن اختلاطه كان ضيقاً لا يضر، وهو الذي يكتفي عنه بعضهم بأنه: تغيُّر، وهو ما وصفه به الحافظ حمزة الكناني، وهذا الوصف هو الذي يلتقي مع إطلاقات أئمة الجرح في الشفاء عليه،

كقول أحمد: ليس بالشام رجل أصح حديثاً منه. وقول ابن معين فيه: حجة. ونحوه كثير [سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۶۹۱/۷]

حقیقت بھی یہی ہے کہ سعید بن عبد العزیز کا اختلاط ایک تو بہت مختصر تھا کہ اس کے بعد وہ روایت ہی نہ کر سکے۔ دوسرا دوران اختلاط روایت کرنے سے وہ رک گئے تھے۔ چنانچہ عباس دوری فرماتے ہیں:

سمعت يحيى يقول: قال أبو مسهر: كان سعيد بن عبد العزيز قد اختلط قبل موته، وكان يُعْرَضُ عليه قبل أن يموت، وكان يقول: "لا أُجِزُهَا" [سوالات الدورى: ۳/ ۴۷۹، رقم: ۵۳۷۷]

اب اس قدر واضح نص کے بعد بھی سعید کے اختلاط کو مضر قرار دینا اور ائمہ سے اقوال نقل کر کے لمبی چوڑی بحث کے بعد ان کا اختلاط مضر ثابت کر کے ان کی روایت کو رد کرنا سراسر انصافی بلکہ انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ موصوف نے اختلاط سعید پر اقوال تو نقل کر دیے مگر انہی محدثین کے تعامل سے نظریں چرائیں۔ محدثین نے سعید کو مختلط قرار دینے کے باوجود بھی ان کی کسی ایک روایت کو اختلاط کے باعث ضعیف قرار نہیں دیا۔

چنانچہ کویت کے معروف محقق شیخ محمد بن زیاد التکلمہ رقمطراز ہیں:

قلت: فأما إعلال بعض المتأخرين بتغيير سعيد بن عبد العزيز فغير سديد، إذ لم يُعلل الحديث بهذا أحد من الحفاظ، بل لا تجد من مُتَقَدِّمِهِمُ أحدا يُعلل باختلاط سعيد أصلاً، فهو أثبت الشاميين وأصحهم حديثاً؛ كما قال الإمام أحمد وغيره، وما غمز فيه أحد، بل ساووه بالإمام مالك، وقدموه على الأوزاعي، واحتج بروايته الشيخان وغيرهما مطلقاً، وقضية اختلاطه أخذها من أخذها من قول تلميذه أبي مسهر، فقد قال: "كان سعيد بن عبد العزيز قد اختلط قبل موته، وكان يُعرض عليه قبل أن يموت، وكان يقول: لا أُجِزُهَا" [تاريخ ابن معين رواية الدورى: ۵۳۷۷] [أرشيف ملتقى أهل الحديث عدد (۱۶۷-۳۱/۲)]

نیز شیخ التکلمہ اپنے استاذ علامہ محدث عبد القادر الازناؤ ورحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وقد سألتُ شيخِي المحدث العلامة عبد القادر الأرنؤوط رحمه الله في منزله بدمشق سنة ۱۴۱۷ عن قول أبي مُسهر بتمامه: هل يُعلُّ مع هذا النص باختلاط سعيد؟ فقال: لا. فظهر أن القصة التي فيها ذكُرُ اختلاط سعيد؛ فيها أيضا امتناعه عن التحديث حاله، فلم يضر اختلاطه روايته، فمن أخذ أول القصة وترك آخرها فقد حاد عن النهج العلمي“ [أرشيف ملتقى أهل الحديث، عدد (۳۱/۲-۱۶۷)]

یہ ہے اہل علم کا نقد، تعامل اور منہج کہ تمام صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ دیتے ہیں، یہ نہیں کہ بس ایک بات کو دیکھ کر تفصیل اور گہرائی میں جائے بغیر کوئی حکم نامہ جاری کر دیا جائے جیسا کہ ہمارا موجودہ طرز تحقیق ہے۔ علاوہ ازیں موصوف کو چاہیے تھا کہ گرمی گفتار کے بجائے سوچ سمجھ سے کام لیتے ہوئے کم از کم پہلے شیخ زبیر رحمہ اللہ کا اصول یا منہج ہی دیکھ لیتے، کیونکہ شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے کہیں بھی ان کے اختلاط کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ کئی جگہ سعید بن عبد العزیز عن سلیمان بن موسیٰ کی سند کو صحیح کہا ہے۔

مثلاً دیکھئے:

۱- مقالات (ج: ۱ ص: ۳۳۲)

۲- مقالات (ج: ۱ ص: ۶۳۱)

۳- مقالات (ج: ۳ ص: ۳۵۵)

سعید بن عبد العزیز کے لیے ان کے شاگرد ابو مسہر نے جہاں ان کے اختلاط کا لفظ استعمال کیا ہے وہیں انہوں نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ سعید نے اختلاط کے بعد روایت روک دی تھی۔

علاوہ ازیں دو ائمہ امام ابو داؤد اور حمزہ الکنانی سے تغیر کا لفظ منقول ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اختلاط مضرت تھا بھی نہیں بلکہ معمولی تغیر کا مسئلہ تھا۔ اور یہ تو شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تغیر حفظ مضرت نہیں ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں کہا: ”صدوق تغیر حفظہ لما قدم بغداد وکان فقیہا“ ”بہت

سچے ہیں۔ جب آپ بغداد تشریف لائے تو آپ کا حافظہ متغیر ہو گیا اور آپ فقیہ تھے“ [۳۸۶۱]

سابقہ عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ تغیر حفظ کی وجہ سے ابن ابی الزناد کی حدیث ضعیف نہیں ہوئی، بلکہ حسن لذاتہ

کے درجہ پر ہے، لہذا یہاں تغیر حفظ مضرت نہیں ہے۔ [مقالات: ۳۷۵/۴-۳۷۶]

اس کے علاوہ سعید بن عبدالعزیز کی کئی احادیث کو بغیر تلامذہ کی تفریق کئے ہوئے محدثین نے صحیح قرار دیا ہے حتیٰ کہ بعض محدثین نے ان سے ابونصر التمار عبدالملک بن عبدالعزیز کی حدیث کو بھی صحیح کہا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے تو اسی حدیث کو صحیح میں نقل کیا جس کا مطلب انہوں نے سعید سے ابونصر التمار کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

نیز مستخرج والی احادیث کو حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ صاحب مستخرج کی نظر میں صحیح مانتے تھے۔ دیکھئے: [مقالات: ج ۲: ص ۱۰۰، مقالات: ج ۲: ص ۱۹۹، مقالات: ج ۴: ص ۲۶]

اور ابو نعیم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھئے: [المسند المستخرج علی صحیح مسلم لأبی نعیم: ۷۴/۲]

نیز حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”جن محدثین کرام نے اس روایت کو صحیح یا قوی قرار دیا ہے، ان کے نزدیک (بشرط تسلیم اختلاط) یہ روایت حماد

نے اختلاط سے پہلے بیان کی ہے۔“ [مقالات: ج ۲: ص ۴۱۳]

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”محدثین کی تصحیح سے یہی ظاہر ہے کہ عبدالوارث بن سفیان کا ان سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے“ [مقالات:

ج ۶: ص ۱۳۳]

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ تیسری جگہ لکھتے ہیں:

”جمہور محدثین کرام کا اس کی بیان کردہ حدیث کو حسن یا صحیح قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ عمرو بن مرہ کا عبداللہ

بن سلمہ سے سماع اس کے اختلاط سے پہلے کا ہے، لہذا اس سند پر اختلاط کا الزام مردود ہے۔“ [اضواء المصابیح: ص

۹۶، رقم: ۵۸] نیز دیکھیں: [الحديث: شماره: ۲۶، ص: ۴]

معلوم ہوا کہ سعید بن عبدالعزیز بھی معمولی تغیر حفظ کے شکار ہوئے تھے جو مضمر نہیں ہے نیز اس تغیر کے بعد انہوں

نے روایت بیان کرنا بھی بند کر دیا تھا۔ اس لئے ان کی حدیث پر اختلاط اور تغیر کی جرح کرتے ہوئے رد کرنا بالکل غلط

ہے۔

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے اصولوں سے بھی ان کا تغیر مضمر نہیں ہے جیسا کہ حوالے دئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اخلاص نیت کی توفیق عنایت فرمائے اور خدمت دین کی راہ پر استقامت عطا کرے۔



امت مسلمہ کی وسطیت

آٹھویں قسط

عبد اللہ الباقی اسلم

دوسری امتوں کے درمیان امت مسلمہ کی وسطیت مندرجہ ذیل امور میں واضح ہوتی ہے:

☆ **أولاً:** اللہ کی وحدانیت اور اس کی صفات میں امت مسلمہ کی وسطیت:

امت مسلمہ یہود و نصاریٰ کے درمیان وسطیت کی حامل ہے، جہاں ایک طرف یہود نے اللہ تعالیٰ کو ایسے بہت سارے نقائص سے متصف کیا، جو مخلوق کے ساتھ مختص ہیں، یہاں تک کہ مخلوق سے تشبیہ دے دی، اور کہا: ”وہ بخیل ہے، فقیر ہے، جب تھک جاتا ہے تو آرام کرتا ہے، انسانوں کی صورت اختیار کرتا ہے، وغیر ذالک“، اور نصاریٰ نے مخلوق کے لئے خالق عزوجل کی صفات کو ثابت کیا، اس کو اللہ کے ساتھ تشبیہ دی، اور کہا: ”اللہ مسیح ابن مریم ہے، اور مسیح اللہ کا بیٹا ہے، وہ پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، معاف کرتا ہے، رحم کرتا ہے، ثواب دیتا ہے، اور سزا دیتا ہے“ دیکھیں: [وسیطۃ أهل السنة للدكتور محمد باكریم: ص: ۲۳۸-۲۵۷]

وہیں دوسری طرف مسلمانوں کی وسطیت بایں طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے اللہ کو ایک مان لیا، اسے صفات کمال سے متصف کیا، تمام تر صفات نقائص سے اس کی تزیین کی، کسی بھی صفت میں کوئی مخلوق اس کا مماثل نہیں، اور کہا: ”اللہ کی طرح کوئی چیز نہیں، نہ تو اس کی ذات میں، نہ اس کی صفات میں، اور نہ ہی اس کے افعال میں“ دیکھیں: [منہاج السنة النبویة لابن تیمیة: ۱۶۸/۵-۱۶۹]

☆ **ثانیاً:** اللہ عزوجل کے انبیاء اور اس کے رسل کے بارے میں امت مسلمہ کی وسطیت:

یہود نے انبیاء کو قتل کیا، ان کی ہر طرح سے عیب جوئی کی، انہیں اذیت پہنچائی، اور ان کی تابعداری سے روگردانی کی۔ نصاریٰ نے بعض انبیاء کے بارے میں غلو سے کام لیا، اللہ کو چھوڑ کر انہیں اپنا رب مان لیا، یہاں تک کہ مسیح علیہ السلام کو اپنا معبود تسلیم کیا۔ دیکھیں: [وسیطۃ أهل السنة للدكتور محمد باكریم: ص: ۲۶۰-۲۷۷]

جب کہ مسلمانوں کی وسطیت اس مسئلہ میں یوں ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے انبیاء کو ان کی جگہ پر رکھا، ان کی عزت کی، ان کی تصدیق کی، ان سے محبت کی، ان کی اطاعت کی، ان پر ایمان لائے کہ وہ اللہ عزوجل کے بندے ہیں، خوشخبری سنانے والے، اور ڈرانے والے رسل ہیں، انہوں نے نہ تو ان کی عبادت کی، اور نہ ہی اللہ کو چھوڑ کر انہیں اپنا رب تسلیم کیا، کیونکہ وہ نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں، اور نہ ہی وہ غیب کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ دیکھیں: [وسیطۃ أهل السنة للدكتور محمد باكریم: ص: ۲۳۸-۲۷۷-۲۸۴]

☆ **ثالثاً:** شرائع میں امت مسلمہ کی وسطیت:

شرائع میں بھی امت مسلمہ یہود و نصاریٰ کے درمیان وسطیت کی حامل ہے۔

یہود نے اس بات کا انکار کیا کہ خالق عزوجل کسی رسول کو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بغیر بھیج سکتا ہے، اور کہا کہ

”یہ جائز ہی نہیں کہ اللہ اپنی نافذ کردہ شریعت کو منسوخ کرے، یا جو چاہے مٹا دے، یا پھر جو چاہے ثابت کرے“

اور نصاریٰ نے اپنے احبار اور رہبان کے لئے یہ جائز قرار دیا کہ وہ اللہ کے دین کو بدل سکتے ہیں، لہذا انہوں نے من مانی کرتے ہوئے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیا، جبکہ حلال شدہ چیزوں کو حرام قرار دیا۔ دیکھیں: [وسیطة أهل السنة للذكتور محمد باكریم: ص: ۲۳۹]

لیکن مسلمانوں نے کہا: ”خلق اور امر اللہ کے اختیار میں ہے، چاہے تو وہ کسی چیز کو ختم کر دے، اور چاہے تو وہ کسی چیز کو برقرار رکھے، اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی میں نسخ جائز تھا، البتہ ان کی وفات کے بعد کسی بھی مخلوق کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ امر الہی کو بدلے، چاہے وہ کتنی ہی قدر و منزلت کو پہنچا ہوا ہو“

☆ راجعاً: حلال و حرام میں امت مسلمہ کی وسطیت:

حلال و حرام کے معاملے میں بھی امت مسلمہ یہود و نصاریٰ کی بنسبت راہ اعتدال پر قائم ہے۔

یہود نے اپنے لئے بہت ساری حلال و مباح چیزوں کو حرام قرار دیا۔ دیکھیں: [وسیطة أهل السنة للذكتور محمد باكریم: ص: ۲۳۹] جیسے:

ا۔ حضرت اسرائیل - یعقوب علیہ السلام - نے اپنے نفس پر چند چیزوں کو حرام قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اس آیت کریمہ کے اندر فرمایا:

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنزَلَ التَّوْرَةُ﴾

”بنی اسرائیل کے لئے تمام کھانے حلال تھے، سوائے چند چیزوں کے جنہیں اسرائیل نے اپنے نفس پر حرام کر لیا تھا، (اور یہ بات) نزول تورات سے پہلے کی ہے“ [سورة آل عمران: ۹۳]

ب۔ بنی اسرائیل کے ظلم و زیادتی کی بناء پر اللہ عز و جل نے ان پر بہت ساری چیزوں کو حرام کر دیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا﴾

”یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر بہت ساری مباح چیزوں کو حرام قرار دیا، جو ان کے لئے حلال شدہ تھیں، اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے بہت سارے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا“ [سورة النساء: ۱۶۰]

اور نصاریٰ نے محرمات کی اباحت میں زیادتی کی، چنانچہ انہوں نے ان امور کو حلال قرار دیا، جن کی حرمت میں تورات کے نصوص دلالت کرتے ہیں، اور نہ مسیح علیہ السلام ان کی اباحت کا حکم لے کر آئے، لہذا وہ خباث سمیت تمام محرمات کو حلال سمجھ بیٹھے، جیسے: مردے، خون، اور سور کا گوشت وغیرہ [كتاب الصفدية لابن تيمية: ۳۱۳/۲]

جہاں تک مسلمانوں کی بات ہے تو انہوں نے ان تمام پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا ہے، جنہیں اللہ یا اس کے

رسول ﷺ ان کے لئے حلال کیا ہے، اور ان تمام ناپسندیدہ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، جو ان کے لئے حرام کی گئی ہیں، جیسا کہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ ”جو لوگ اس رسول، نبی امی (ان پڑھ) کی اتباع کرتے ہیں جنہیں اپنے پاس تورات و انجیل میں مکتوب پاتے ہیں، جو ان کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اور انہیں برائی سے روکتے ہیں، اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں، اور ان پر غیر پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں“ [سورۃ الأعراف: ۱۵۷]

☆ خامساً: عبادت میں امت مسلمہ کی وسطیت:

امت مسلمہ عبادت کے مسائل میں بھی یہود و نصاریٰ کے درمیان وسطیت کی حامل ہے۔ یہود کو تو علم حاصل ہوا، لیکن انہوں نے عمل نہیں کیا، لہذا وہ غضب الہی کے شکار ہوئے، انہوں نے عبادت سے منہ موڑا، اللہ کی اطاعت سے روگردانی کی، خواہشات کی پیروی کی، مادیت کے لئے اپنے ہی نفس کی عبادت کی، اور دنیا کی خاطر اپنے دین و آخرت کو تیغ دیا۔ دیکھیں: [وسطیۃ اهل السنة للدكتور محمد باكريم: ص: ۲۴۰]

اور نصاریٰ کو علم ہی حاصل نہ ہوا، جہالت کی بنیاد پر اللہ کی عبادت کی، لہذا وہ گمراہ ہو گئے، رہبانیت میں غلو کیا، اور ایسی بہت ساری بدعتوں کے ذریعے عبادت کی جن کے لئے کوئی دلیل نہیں، چنانچہ انہوں نے لوگوں کو چھوڑ کر گرجا گھروں کی طرف رخ کیا، اور ان کے رہبان نے عبادت کے لئے گوشہ نشینی اختیار کی، اور اپنے نفس پر ایسی بہت ساری چیزوں کو لازم قرار دیا، جو جسم و جان کے لئے بے حد مشکل، اور انسانی فطرت کے عین مخالف ہیں، اسی لئے وہ ان کی ادائیگی کی تاب نہ لا سکے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾

”اور رہبانیت کو انہوں نے خود سے ایجاد کیا، جسے ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، ہاں مگر انہوں نے اللہ کی رضا جوئی کی خاطر اسے ایجاد کیا، لیکن وہ اسے بخوبی انجام نہ دے سکے“ [سورۃ الحديد: ۲۷]

رہی بات مسلمانوں کی تو انہوں نے علم حاصل کیا، اس پر عمل کیا، یہی وہ لوگ ہیں، جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، احکام شریعت کے مطابق صرف ایک اللہ کی عبادت کی، (دوسروں کی طرح) خواہشات و بدعات کے ذریعے اس کی عبادت نہیں کی۔ دیکھیں: [الوسطیۃ فی الاسلام۔ تعریف و تطبیق۔ للدكتور زيد الزيد، ص: ۴۶-۵۱]

اور نہ اپنے دنیاوی حصے کو فراموش کیا، اور اس میں انہوں نے اپنے رسول ﷺ کو اپنا قدوہ و آئیڈیل تسلیم کیا۔

نوٹ: اس مضمون کا بیشتر حصہ استاذ محترم دکتور عبدالقادر عطا صوفی رحمہ اللہ کی کتاب ”المفید فی مہمات التوحید سے مستفاد ہے۔

تین طلاق اور علی رضی اللہ عنہ

کفایت اللہ سنابلی

علی رضی اللہ عنہ کی طرف صراحتاً یہ فتویٰ منسوب ہے کی آپ ایک وقت میں دی گئی تین طلاق کو ایک طلاق مانتے تھے۔
امام ابن مغیث (المتوفی: ۴۵۹) لکھتے ہیں:

فقال علی ابن ابی طالب و ابن مسعود رضی اللہ عنہما: ”تلممہ طلقه واحده وقاله ابن عباس رضی اللہ عنہ..... وقال مثله الزبیر بن العوام و عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما روینا ذالک کله عن ابن وضاح“

علی بن ابی طالب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا کہ: ”(بیک وقت تین طلاق دینے سے) ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی قول ہے..... نیز یہی قول زبیر بن العوام اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کا بھی ہے..... ان سے یہ اقوال ہم نے ابن وضاح سے روایت کیا ہے“ [المقنع لابن مغیث: ص: ۸۰]
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) فرماتے ہیں:

”نقل عن علی و ابن مسعود و عبد الرحمن بن عوف و الزبیر مثله نقل ذالک بن مغیث فی کتاب الوثائق له و عزاه لمحمد بن وضاح“

”تین طلاق کے ایک ہونے کا فتویٰ علی، ابن مسعود، عبد الرحمن بن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اسے ابن مغیث نے کتاب الوثائق میں نقل کیا ہے اور محمد بن وضاح کی روایت کی طرف منسوب کیا ہے“ [فتح الباری لابن حجر، ط المعرفة: ۳۶۳/۹]

لیکن اس فتویٰ کی سند دستیاب نہیں ہے۔

تاہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کے ابتدائی دو سال تک امت کا جو اجتماعی موقف تھا کہ ایک وقت میں دی گئی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی اس سے علی رضی اللہ عنہ کا اختلاف کرنا ثابت نہیں ہے۔

بعض حضرات کچھ ضعیف و مردود روایات پیش کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ ایک وقت کی تین طلاق کو تین شمار کرتے تھے ذیل میں ان روایات کی پوزیشن ملاحظہ ہو:

پہلی روایت:

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸) نے کہا:

أخبرنا أبو عمرو الرزجاهی حدثنا أبو بكر الإسماعیلی قال قرأت علی أبی محمد إسماعیل بن محمد الكوفی حدثنا أبو نعیم الفضل بن دکین حدثنا حسن عن عبد الرحمن بن أبی لیلی عن علی رضی اللہ عنہ فیمن طلق امرأته ثلاثاً قبل أن یدخل بها قال: "لا تحل له حتی تنكح زوجاً غیره"

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "جس نے اپنی بیوی کو دخول سے قبل تین طلاق دے دیا تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کر لے" [السنن الکبری للبیہقی، ط الہند: ۳۳۴/۱۷]

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، سند میں موجود ابو محمد اسماعیل بن محمد الکوفی یہ ابو محمد اسماعیل بن محمد المزنی الکوفی ہے۔ امام ذہبی نے اسے ابو بکر الإسماعیلی کا استاذ اور ابو نعیم کا شاگرد بتلایا ہے۔ [تاریخ الإسلام ت بشار: ۹۲۰/۱۶]

یہ بہت بڑا جھوٹا اور کذاب شخص تھا۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵) نے:

"کذاب" "یہ بہت بڑا جھوٹا ہے" [کتاب الضعفاء والمتروکین للدارقطنی ت الأزهری: ص: ۸۵]

نیز ابو نعیم الفضل بن دکین کا استاذ حسن بھی نامعلوم کون ہے۔

دوسری روایت:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا وکیع، عن الأعمش، عن حبيب، قال: جاء رجل إلى علی، فقال: إني طلقت امرأتی

الفا! قال: "بانت منك بثلاث، واقسم سائرهن بين نسائك"

حبيب بن ابی ثابت کہتے ہیں کہ: "ایک شخص علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی ہے! اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین طلاق سے تیری عورت جدا ہوگئی اور باقی طلاقوں کو تو اپنی دیگر بیویوں میں تقسیم کر دے" [مصنف ابن ابی شیبہ۔ سلفیة: ۱۳/۵، واسنادہ ضعیف و منقطع و اخرجه ایضاً الدارقطنی:

۳۸/۵، من طریق فضیل بن عیاض عن الأعمش به]

یہ روایت ضعیف ہے اس میں تین علتیں:

اول: اعمش عن سے روایت کر رہے ہیں اور یہ تیسرے طبقے کے مدلس ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: (ہماری

کتاب یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص: ۳۹۵ تا ۳۹۹)

دوم: حبیب بن ابی ثابت الکوئی بھی تیسرے طبقہ کے مدس ہیں۔ دیکھئے: [طبقات المدلسین لابن حجر التقریوتی ص: ۳۷] اور یہاں انہوں نے اپنا ماخذ بتایا ہی نہیں ہے۔

سوم: حبیب بن ابی ثابت کا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ: امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۴) نے کہا:

”حبیب بن ابی ثابت ، لقی ابن عباس ، وسمع من عائشة ، ولم يسمع من غيرهما من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم“

”حبیب بن ابی ثابت نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہے اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے اور ان دو صحابہ کے علاوہ کسی اور صحابی سے انہوں نے نہیں سنا ہے“ [العلل لابن المدینی، ت الأزهری: ص: ۱۱۳، وانظر: جامع التحصيل للعلائی: ص: ۱۵۸، تحفة التحصيل فی ذکر رواة المراسیل: ص: ۶۰]

تیسری روایت:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا ابن فضيل، عن الأعمش، عن حبيب، عن رجل من أهل مكة، قال: ”جاء رجل إلى علي فقال: إني طلقت امرأتی ألفا؟ قال: الثلاث تحرمها عليك، واقسم سائرهن بين أهلک“ حبیب بن ابی ثابت مکہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ: ”ایک شخص علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی ہے! اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین طلاقیں تیری بیوی کو تجھ پر حرام کرتی ہیں اور باقی طلاقوں کو تو اپنی دیگر بیویوں میں تقسیم کر دے“ [مصنف ابن ابی شیبہ۔ سلفية: ۱۴/۵، واسنادہ ضعيف واخرجه ايضا البيهقي في السنن الكبرى: ۵۴۷/۷، من طريق أبي نعیم عن الأعمش به]

یہ وہی ما قبل والی روایت ہے اس میں حبیب نے اپنے سے اوپر کا واسطہ ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں بتایا، یہ روایت بھی تین وجوہات کے سبب ضعیف ہیں۔

پہلی اور دوسری وجہ تو وہی ہے جس کا ذکر ما قبل میں ہو چکا۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابت نے جس شخص کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے اس کا نام نہیں بتایا لہذا اس شخص کا مچھول ہونا بھی اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ ہے۔

چوتھی روایت:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا حاتم بن إسماعيل ، عن جعفر ، عن أبيه ، عن علي قال: ”إذا طلق البكر واحدة فقد
بتها، وإذا طلقها ثلاثا لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره“

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”جب کوئی شخص باکرہ (غیر مدخولہ) کو ایک طلاق دے تو وہ
طلاق بائن ہوگی اور جب تین طلاق دے تو اس کے لئے تب تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ کسی اور سے بھی شادی
نہ کر لے“ [مصنف ابن ابی شیبہ۔ سلفية: ۲۲/۵، اسنادہ منقطع و اخرجہ البيهقي في السنن الكبرى ط الهند: ۳۳۵ / ۷،

من طريق أبي نعيم عن حاتم بن إسماعيل نحوه]

یہ روایت منقطع ہونے کے سبب ضعیف ہے کیونکہ جعفر کے والد محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ابو جعفر
الباقر کا سماع علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے سولہ (۱۶) سال بعد پیدا
ہوئے ہیں علی رضی اللہ عنہ کی وفات رمضان ۴۰ ہجری میں ہوئی ہے چنانچہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

”مات في رمضان سنة أربعين“ ”علی رضی اللہ عنہ کی وفات رمضان ۴۰ ہجری میں ہوئی ہے“ [تقریب

التهديب لابن حجر: رقم: ۴۷۵۳]

اور محمد بن علی بن الحسین کی پیدائش ۵۶ ہجری میں ہوئی چنانچہ:

امام صفدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۴) نے کہا:

”مولده سنة ست وخمسين“ ”ان کی تاریخ پیدائش ۵۶ ہجری ہے“ [الوافي بالوفيات للصفدي: ۷۷ / ۴]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی تاریخ پیدائش ثابت کی ہے۔ [تهديب التهديب لابن حجر، ط الهند: ۳۵۱ / ۹]

معلوم ہوا کہ محمد بن علی بن الحسین کا علی رضی اللہ عنہ سے سننا محال و ناممکن ہے اسی لئے محدثین نے پوری صراحت
کے ساتھ کہا ہے کہ محمد بن علی بن الحسین کی علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل یعنی منقطع ہے۔ چنانچہ:

امام أبوزرعة الرازي رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۴) نے کہا:

”محمد بن علي بن الحسين، عن علي، مرسل“ ”محمد بن علی بن الحسین کی علی رضی اللہ عنہ سے روایت

مرسل (منقطع) ہے“ [المراسيل لابن أبي حاتم ت قوجانی: ص: ۱۸۵، و اسنادہ صحيح]

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۸) نے کہا:

”حدیث جعفر عن أبيه عن علي مرسل“ ”جعفر کے والد محمد بن علی بن الحسین کی علی رضی اللہ عنہ سے

روایت مرسل (منقطع) ہے“ [السنن الكبرى للبيهقي، ط الهند: ۱۲۲/۶]

امام ذہبی (المتوفی: ۷۴۸) اور امام علائی (المتوفی: ۷۶۱) وغیرہما نے بھی یہی بات کہی ہے۔ دیکھیں: [سیر اعلام

النبياء للذهبي: ۴/۱۰۱، جامع التحصيل للعلائي: ص: ۲۶۶، تہذیب التہذیب لابن حجر، ط الهند: ۳۵۲/۹]

معلوم ہوا کہ یہ روایت صریح اور واضح طور پر منقطع ہے، شیخ سعد بن ناصر الشثری اپنے نسخہ میں اس روایت پر حاشیہ

لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”منقطع ابو جعفر لا يروى عن علي“ ”یہ روایت منقطع ہے ابو جعفر (محمد بن علی بن الحسین) علی سے

(ڈائریکٹ) روایت نہیں کرتے“ [مصنف ابن أبي شيبة-إشبيلية: ۱۲۰/۱۰ حاشہ: ۴]

پانچویں روایت:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا حميد بن عبد الرحمن ، عن علي بن عمر بن حسين ، عن جعفر ، عن أبيه ، عن علي ؛

في رجل طلق امرأته حمل بعير ، قال: ”لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره“

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو اونٹ کے بوجھ

کے برابر طلاق دی کہ: ”وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کر لے“ [مصنف ابن

أبي شيبة-سلفية: ۷۸/۵]

یہ روایت بھی ضعیف و مردود ہے۔

اس کے اندر ایک علت تو وہی ہے جو پچھلی روایت میں بیان ہوئی یعنی جعفر کے والد محمد بن علی بن الحسین بن علی بن

ابی طالب ابو جعفر الباقرقا سماع علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔

اس کے ساتھ اس میں ایک دوسری علت یہ بھی ہے کہ اس سند میں موجود علی بن عمر بن حسین غیر معروف ہے۔

شیخ سعد بن ناصر الشثری اپنے نسخہ میں اس روایت پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مجهول منقطع ، علي بن عمر بن حسين مجهول ، و ابو جعفر لا يروى عن علي“

”یہ روایت مجہول راوی سے ہے اور منقطع ہے، علی بن عمر بن حسین مجہول ہے، اور ابو جعفر (محمد بن علی بن الحسین)

علی سے (ڈائریکٹ) روایت نہیں کرتے“ [مصنف ابن ابی شیبہ۔ اشبیلیا: ۲۱۵/۱۰، حاشیہ: ۵] معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی ضعیف و مردود ہے۔

چھٹی روایت:

امام سعید بن منصور رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۲۷) نے کہا:

حدثنا سعید قال: نا هشيم، قال: أنا ابن أبي ليلى، عن رجل حدثه عن أبيه، ”عن علي، رضي الله عنه مثل ذلك (يعني رجل طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها، قال: الثلاث والواحدة للبكر سواء)“

”علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس آدمی نے اپنی عورت کو دخول سے قبل تین طلاق دے دیا تو اس کے حق

میں تین طلاق اور ایک طلاق برابر ہے“ [سنن سعید بن منصور: ۳۰۷/۱، واسنادہ ضعیف جدا]

یہ روایت درج ذیل وجوہات کی بنا پر سخت ضعیف ہے۔

اول: علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا نامعلوم ہے اس کا نام تک ذکر نہیں۔

دوم: ابن ابی لیلیٰ کا شیخ رجل بھی نامعلوم ہے اس کا نام تک ذکر نہیں۔

سوم: ابن ابی لیلیٰ یہ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ الکوفی ہے، اور یہ سخت ضعیف ہے۔

امام شعبۃ بن الحجاج رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۶۰) نے کہا:

”ما رأيت أحدا أسوأ حفظا من ابن أبي ليلى“ ”میں نے ابن ابی لیلیٰ سے زیادہ برے حافظہ والا نہیں

دیکھا“ [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمی: ۳۲۲/۱۷، واسنادہ صحیح]

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

”كان سيء الحفظ مضطرب الحديث“

”یہ سیء الحفظ اور مضطرب الحديث ہے“ [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمی: ۳۲۳/۱۷]

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:

”كان ردىء الحفظ كثير الوهم فاحش الخطأ يروى الشيء على التوهم ويحدث على

الحسبان فكثير المناكير في روايته فاستحق الترك تركه أحمد بن حنبل ويحيى بن معين“

”یہ بدتر حافظے والا، بہت زیادہ وہم وگمان کا شکار ہونے والا اور فحش غلطی کرنے والا ہے، یہ وہم وگمان کی بنا پر حدیثیں

بیان کر دیتا تھا جس کے سبب اس کی احادیث میں منکرات کی بھرمار ہوگی اور نتیجہً یہ متروک ہونے کے قابل ٹھہرا امام

احمد اور امام ابن معین نے اسے ترک کر دیا“ [المجروحین لابن حبان: ۲۴۴/۲]

محمد بن طاہر ابن القیسر انی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷) نے کہا:

”ممن أجمع علی ضعفه“ ”یہ ان لوگوں میں سے ہے جس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے“ [تذکرۃ الحفاظ

لابن القیسرانی: ص: ۲۳۶]

اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے محدثین نے اس پر جرح کی بعض نے اس کے سچے ہونے کی گواہی دی ہے لیکن

اس کے سبب الحفظ اور ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق و اجماع ہے جیسا کہ ابن طاہر القیسر انی نے کہا ہے کما مضی۔

ساتویں روایت:

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۱۱) نے کہا:

عن أبی سلیمان، عن الحسن بن صالح، عن مطرف، عن الحكم، أن علیا، وابن مسعود،

وزید بن ثابت قالوا: ”إذا طلق البکر ثلاثا فجمعها، لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره، فإن فرقها

بانت بالأولی، ولم تکن الأخریین شیئا“

حکم بن عتیبہ الکندی علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود وزید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کرتے ہیں

کہ ان حضرات نے کہا: ”جب کوئی شخص (اپنی) باکرہ (غیر مدخولہ بیوی) کو بیک زبان تین طلاق دے دے تو وہ اس

کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کر لے، اور اگر الگ الگ جملے میں تین طلاق دے تو

ایک جملہ سے عورت جدا ہو جائے گی اور بقیہ دو کا کوئی شمار نہ ہوگا“ [مصنف عبد الرزاق، ت الأعظمی: ۳۳۶/۶]

یہ روایت ضعیف و مردود ہے کیونکہ اسے علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والا الحکم بن عتیبہ الکندی ہے اور اس کا علی

رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں بلکہ اس کی پیدائش علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے دس (۱۰) سال بعد ہوئی ہے۔ چنانچہ

علی رضی اللہ عنہ کی وفات رمضان سن ۴۰ ہجری میں ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

”مات فی رمضان سنة أربعین“ ”علی رضی اللہ عنہ کی وفات رمضان سن ۴۰ ہجری میں ہوئی ہے“ [تقریب

التہذیب لابن حجر: رقم: ۴۷۵۳]

اور الحکم بن عتیبہ الکندی کی پیدائش سن پچاس (۵۰) ہجری میں ہوئی ہے چنانچہ:

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:

”ولد سنة خمسين في ولاية معاوية“ ”اس کی پیدائش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں سن پچاس (۵۰) ہجری میں ہوئی ہے“ [الثقات لابن حبان ط العثمانية: ۱۴/۴۱۴]

أبو بكر ابن منجويه (المتوفى: ۲۲۸) نے کہا:

”ولد سنة خمسين في ولاية معاوية“ ”اس کی پیدائش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں سن پچاس (۵۰) ہجری میں ہوئی ہے“ [رجال صحيح مسلم لابن منجويه: ۱۰۱/۱۴]

نیز دیکھئے: [تهذيب الكمال للمزى: ۱۲۰/۷]

معلوم ہوا کہ الحکم بن عتیہ الکندی کا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت سننا ناممکن و محال ہے۔ لہذا علی رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت منقطع و ضعیف ہوگی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفى: ۲۵۸) علی رضی اللہ عنہ سے الحکم بن عتیہ کی ایک روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: ”وهذا منقطع ، الحکم لم یدرک علیا“ ”یہ منقطع ہے الحکم بن عتیہ نے علی رضی اللہ عنہ کا دور نہیں پایا ہے“ [معرفة السنن والآثار للبيهقي: ۳۹۹/۱۴]

نیز دیکھئے: [تحفة التحصيل فی ذکر رواة المراسيل: ص: ۸۱]

واضح رہے کہ اس روایت میں الحکم بن عتیہ نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے بھی یہی بات نقل کر رکھی ہے۔ لیکن ان دونوں صحابہ سے بھی اس کی ملاقات نہیں کیونکہ یہ دونوں صحابہ اس کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے بتیس (۳۲) یا تینتیس (۳۳) ہجری میں ہوئی ہے۔ دیکھئے: [التاريخ الأوسط للبخاری ت زائد: ۶۰/۱، تهذيب الكمال للمزى: ۱۶۱/۲۶]

اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات پینتالیس (۳۵) ہجری میں ہوئی ہے۔ دیکھئے: [الوفيات لابن قنفذ: ص: ۶۱، تاريخ مولد العلماء ووفياتهم: ۱۴۴/۱]

آٹھویں روایت:

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفى: ۳۶۵) نے کہا:

حدَّثنا مُحمد بن عبد الوهاب بن هشام، حدَّثنا علي بن سلمة اللبقي، حدَّثنا أبو أسامة، عن الأعمش، قال: ”كان بالكوفة شيخ يقول: سمعتُ علي بن أبي طالب يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً

فی مجلس واحد یرد إلی واحدة، والناس عنقا واحدا إذ ذاک یأتونه ویسمعون منه، قال: فأتیته ففرعت علیه الباب فخرج إلی شیخ، فقلت له: کیف سمعت علی بن أبی طالب یقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا فی مجلس واحد؟ قال: سمعت علی بن أبی طالب یقول: إذا طلق رجل امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فإنه یرد إلی واحد. قال: فقلت له: أننی سمعت هذا من علی؟ قال: أخرج إلیک کتابی، فأخرج کتابه فإذا فیہ: بسم الله الرحمن الرحیم، هذا ما سمعت علی بن أبی طالب یقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فقد بانت منه، ولا تحل له حتی تنکح زوجا غیره. قال: قلت: ویحک هذا غیر الذی تقول! قال: الصحیح هذا، ولكن هؤلاء أرادونی علی ذالک

امام اعمش کہتے ہیں کہ: ”کوفہ میں ایک شیخ تھا جو کہتا تھا کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب آدمی ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو اسے ایک مانا جائے گا۔ اور لوگ جوق در جوق اس کے پاس آتے اور اس سے سنتے۔ کہتے ہیں کہ پھر میں اس کے پاس آیا اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو میرے سامنے یہ شیخ نکلا تو میں نے اس سے پوچھا تم نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے کیسے سنا ہے کہ جب کوئی شخص ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے؟ تو اس نے کہا: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب آدمی ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو اسے ایک مانا جائے گا۔ کہتے ہیں پھر میں نے اس سے کہا: تم نے علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہاں سنا ہے؟ اس نے کہا میں آپ کو اپنی کتاب دکھاتا ہوں، پھر اس نے اپنی کتاب نکالی تو اس میں لکھا تھا: بسم الله الرحمن الرحیم یہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو وہ اس سے جدا ہو جائے گی اور اس کے لئے تب تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کر لے۔ کہتے ہیں پھر میں نے کہا: تیرا ستیاناس ہو یہ تو اس کے برعکس ہے جو تو بیان کرتا ہے! تو اس نے کہا: صحیح یہی ہے لیکن یہ لوگ مجھ سے یہی سننا چاہتے ہیں“ [الکامل لابن عدی طبعة الرشد: ۳۳۲/۱، ومن طریق ابن عدی اخرجه الخطیب فی الکفایة، ت

السورقی: ص: ۱۵۰، و البیهقی فی السنن الکبری ط الہند: ۳۳۹/۷، و ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور: ۱/۶۶۹]

امام اعمش نے جس کو فی شیخ کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے اس کا نام ذکر نہیں کیا ہے نامعلوم یہ شخص کون ہے! اس لئے اس کا کوئی بیان ہی معتبر نہیں۔

نیز اس روایت سے اس کا کذاب ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ باعتراف خود اپنی لکھی گئی بات کے خلاف ڈنکے کی چوٹ پر روایت بیان کرتا ہے جو صریح جھوٹ ہے اس لئے اس جھوٹے شخص کی کسی بات کا اعتبار نہیں۔

نویں روایت:

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۱۱) نے کہا:

عن إبراهيم بن محمد، عن شريك بن أبي نمر قال: "جاء رجل إلى علي، فقال: إني طلقت

امرأتي عدد العرفج قال: تأخذ من العرفج ثلاثا، وتدع سائره"

شريك بن ابی نمر کہتے ہیں کہ: "ایک شخص علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی بیوی کو عرفج (ایک

پودے کا نام) کی تعداد کے برابر طلاق دی ہے تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: عرفج سے تین کی عدد لے لو اور باقی چھوڑ دو"

[مصنف عبد الرزاق، ت الأعظمی: ۳۹۴/۶]

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ اسے بیان کرنے والا امام عبدالرزاق کا استاذ ابراہیم بن محمد یہ ابراہیم بن

محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی ہے اور یہ کذاب ہے۔

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۹۸) نے کہا:

"كنا نتهمه بالكذب" "ہم اسے کذب سے متهم کرتے تھے" [ضعفاء العقيلي: ۶۳/۱، واسنادہ صحیح]

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

"إبراهيم بن أبي يحيى ليس بثقة كذاب"

"ابراہیم بن ابی یحییٰ ثقہ نہیں ہے یہ بہت بڑا جھوٹا ہے" [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۱۲۶/۲]

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

"ابراهيم بن أبي يحيى كذاب"

"ابراہیم بن ابی یحییٰ بہت بڑا جھوٹا ہے" [سؤالات ابن أبي شيبة لابن المديني: ص: ۱۲۴]

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

"إبراهيم بن أبي يحيى كذاب متروك الحديث"

"ابراہیم بن ابی یحییٰ بہت بڑا جھوٹا اور متروک الحدیث ہے" [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۱۲۶/۲]

یہ صرف وہ اقوال ہیں جن میں اہل فن نے راوی مذکور کو کذاب کہا ہے، اس کے علاوہ جو شدید جرحیں اس پر ہوئی

ہیں اس کے لئے تہذیب اور عام کتب رجال کی طرف مراجعت کی جائے۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

اس کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو بیان کرنے والے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر ہیں اور علی رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں پانچویں طبقہ کا راوی بتلایا ہے۔ [تقریب التہذیب لابن حجر: رقم: ۲۷۸۸]

اور اس طبقہ کے رواۃ کی صرف ایک دو صحابہ ہی سے ملاقات ہے۔ [تقریب التہذیب لابن حجر، ت عوامۃ: ص: ۷۴]

یعنی کبار صحابہ سے ان کی ملاقات نہیں ہے۔

لہذا یہ روایت موضوع ومن گھڑت ہونے کے ساتھ ساتھ سنداً منقطع بھی ہے۔

تنبیہ: امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸) نے کہا:

أخبرنا أبو محمد عبد الله بن يوسف، أنا أبو سعيد بن الأعرابي، نا الحسن بن محمد بن الصباح الزعفراني، نا يزيد بن هارون، أنا هشام بن حسان، عن محمد بن سيرين، عن عبيدة السلماني، عن علي رضي الله عنه قال: "ما طلق رجل طلاق السنة فيندم أبداً"

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "جو سنت کے مطابق طلاق دے گا وہ ہمیشہ ندامت میں نہیں رہے گا" [السنن

الكبرى للبيهقي، ت عطا: ۵۳۲/۷، رقم: ۱۴۹۱۷، وأخرجه أيضا الضياء المقدسي في المختارة: ۲/۴۸۱، من طريق

يزيد به، وانظر: المطالب العالية: ۴۱۱/۸]

ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ اس اثر کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ اگر کوئی طلاق بدعی دے گا یعنی ایک ساتھ تین طلاق دے گا تو وہ نادم ہوگا۔

تو عرض ہے کہ یہ مفہوم مخالف نکل سکتا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ تین طلاق کے وقوع پر علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے، کیونکہ یہ مسلم ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین طلاق دینے والوں کے لئے سرکاری فرمان جاری کر دیا تھا کہ ان کی تین طلاق نافذ کر دی جائے گا۔

تو علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول اسی تناظر میں ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی سنی طلاق دے تو رجوع کر سکتا ہے اس کو رجوع سے کوئی روکنے والا نہیں ہے، لیکن اگر کوئی بدعی طلاق دے گا تو فرمان فاروقی کے تحت اس کی بیوی الگ کر دی جائے گی اور وہ ہمیشہ کے لئے چھتتا رہے گا۔

یاد رہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح یہ صریح فتویٰ ثابت نہیں ہے کہ تین طلاق دینے سے تین واقع ہو جائے گی، بلکہ ان سے تین طلاق کے ایک ہونے کا فتویٰ مروی ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

علی رضی اللہ عنہ کے پاس زبیر رضی اللہ عنہ کا سر لایا جانا

محبوب انصاری

گزشتہ روز فیس بک پر ایک تحریر نشر کی گئی جس میں محرر نے شیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ کی کتاب یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۴۵ پر موجود ایک روایت کی صحت پر بعض شبہات وارد کئے یہ تحریر انہی شبہات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے یہ روایت مع سند ملاحظہ فرمائیں:

أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ ذَكْوَانَ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِمْرَانُ بْنُ زَائِدَةَ بْنِ نَشِيطٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ يَعْنِي الْوَالِيَّ قَالَ: "دَعَا الْأَخْنَفُ بَنِي تَمِيمٍ فَلَمْ يُجِيبُوهُ، ثُمَّ دَعَا بَنِي سَعْدٍ فَلَمْ يُجِيبُوهُ، فَأَعْتَزَلَ فِي رَهْطٍ، فَمَرَّ الزُّبَيْرُ عَلَى فَرَسٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ: ذُو النَّعَالِ، فَقَالَ الْأَخْنَفُ: هَذَا الَّذِي كَانَ يَفْسُدُ بَيْنَ النَّاسِ، قَالَ: فَاتَّبَعَهُ رَجُلَانِ مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَحَمَلَّ عَلَيْهِ أَحَدُهُمَا فَطَعَنَهُ، وَحَمَلَ عَلَيْهِ الْآخَرُ فَفَتَلَّهُ، وَجَاءَ بِرَأْسِهِ إِلَى الْبَابِ فَقَالَ: انذِنُوا الْقَاتِلَ الزُّبَيْرِ، فَسَمِعَهُ عَلِيٌّ فَقَالَ: بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ، فَأَلْقَاهُ وَذَهَبَ"

ابو خالد الوالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "اخنف نے بنو تميم کو دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہ کی، پھر اس نے بنو سعد کو دعوت دی انہوں نے بھی قبول نہ کی، پس ایک دن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے ایک گھوڑے پر جا رہے تھے جس کا نام ذوالنعال تھا، تو اخنف نے کہا: یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کے مابین فساد برپا کرتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر اخنف کے ساتھیوں میں سے دو لوگوں نے ان کا پیچھا کیا پھر ایک نے ان پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا اور دوسرے نے حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اخنف زبیر رضی اللہ عنہ کا سر لے کر علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا اور کہا: قاتل زبیر کو اجازت دیں، علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی اور کہا: ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، پھر اخنف نے زبیر رضی اللہ عنہ کے سر کو وہیں رکھا اور رخصت ہو گیا۔ [الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۱۰/۳، واسنادہ صحیح]

اصل موضوع شروع کرنے سے قبل موصوف معترض نے شیخ حفظہ اللہ کے متعلق لکھا۔

”جناب مولوی کفایت اللہ سنابلی نے حمایت یزید میں اصول حدیث کے ساتھ وہ کھلواڑ کیا ہے جو شاید ہی کسی نے کیا ہو صحیح کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح“

عرض ہے محرر صاحب یہی بات تو شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ پر بھی کی گئی ہے ملاحظہ کریں:

”اس روایت کا جواب مشہور غیر مقلد احادیث کی توڑ پھوڑ یعنی صحیح کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح بنانے کے ماہر زبیر علی زئی نے

یوں دیا ہے“ (قافلہ حق: جلد: ۵، شمارہ نمبر: ۴، صفحہ: ۵۶)

شیخ زبیر رحمہ اللہ ہی پر بس نہیں اس طرح کی بات تو جمیع اہل حدیث پر کی گئی ہے چنانچہ مولانا ابوبکر غازی پوری صاحب نے اپنی کتاب ”حدیث کے بارے میں غیر مقلدین کا معیار رد و قبول“ کے ابتدائی صفحات پر بھی اس طرح کا کلام کیا ہے جس میں محرر صاحب آپ خود بھی شامل ہیں معلوم ہوا اس طرح کی بات شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ اور محرر صاحب آپ پر خود ہے لہذا

ہم یہی کہتے ہیں ”ماکان جو ابک فہو جوابی“

اب آتے ہیں اصل موضوع کی طرف موصوف نے اس روایت میں دو علت پیش کی ہے:
اول: زائدہ بن شیط مجہول ہیں۔ دوم: ابو خالد الوالبی اور علی رضی اللہ کے درمیان انقطاع ہے۔
پہلی علت کا جائزہ:

موتقین زائدہ بن شیط

(۱) امام ترمذی رحمہ اللہ۔ انہوں نے ان کی روایت کی تحسین کی ہے۔ [سنن الترمذی: ۶۴۳/۴]

(۲) امام ابن حبان رحمہ اللہ۔ انہوں نے ان کو ”الثقات“ میں ذکر کیا ہے۔ [الثقات لابن حبان: ۳۳۹/۶]

ساتھ ہی ان کی روایت کی تصحیح بھی کی ہے۔ [صحیح ابن حبان: ۳۹۳]

جو ان کی معتبر توثیق ہونے پر دال ہے تفصیل دیکھیں: کتاب ”چاردن قربانی کتاب وسنت۔۔۔ للشیخ سنابلی: ص: ۶۰“

(۳) امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ۔ ان کی روایت کی تصحیح کی ہے۔ [صحیح ابن خزیمہ: ۱۸۸/۲]

(۴) امام ذہبی رحمہ اللہ۔ ”ثقة“ [الکاشف للذہبی: ۴۰۰/۱]

ان کی روایت کی تصحیح بھی کی ہے۔ [المستدرک علی الصحیحین مع تعلیق الذہبی: ۲/۲۸۱]

(۵) امام حاکم رحمہ اللہ۔ انہوں نے بھی ان کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ [المستدرک علی الصحیحین

للحاکم: ۲/۲۸۱]

بلکہ یہ راوی خود شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ثقہ ہے بلکہ آپ نے بعض مقامات پر ثابث بھی کیا ہے چنانچہ ایک

مقام پر لکھتے ہیں:

”ابو خالد الوالبی وزائدة بن شیط وثقهما ابن خزیمہ وابن حبان والحاکم وغیرہم“ (سنن ابن ماجہ:

۴۱۰/۵، حافظ زبیر، سنن ترمذی: ۴/۴۸۲، انگریزی ترجمت حافظ زبیر)

یہاں صاف طور پر شیخ زبیر رحمہ اللہ نے ابن خزیمہ ابن حبان و حاکم وغیرہم رحمہم اللہ سے ثبوت توثیق کا اشارہ کیا ہے ان

مذکورہ ائمہ کی توثیق کی تفصیل آپ اوپر دیکھ سکتے ہیں۔

اسی طرح شیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ کے نزدیک بھی یہ راوی معتبر ہے انہوں نے بھی ایک مقام پر ان کی

روایت کی تحسین کی ہے۔ [اخلاق النبی ﷺ و آدابہ: ۱۶۸]

دوسری علت کا جائزہ:

معرض نے اس روایت میں ابو خالد الوالبی اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع کا دعویٰ کیا ہے لیکن اس پر کوئی صحیح و

معتبر دلیل نہیں دی ہے۔ بلکہ صرف ایک معاصر کا کلام اور ابن عبد البر رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کیا ہے۔

معاصر کا قول تو دلیل ہے ہی نہیں، رہا ابن عبد البر رحمہ اللہ کا حوالہ تو ان کے الفاظ یہ ہیں:

”وروی عن علی ولم یسمع منه فیما ذکرہ“ ”اس نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان سے سنا نہیں ہے

جیسا کہ لوگوں نے ذکر کیا ہے“ [الاستغناء فی معرفة المشہورین من حملة العلم بالکنی: ۱/۵۹۲]

اب یہ بات کن لوگوں نے ذکر کی ہے؟ اور کہاں ذکر کی ہے؟ اس کا کوئی حوالہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے پیش نہیں کیا ہے، اس

لئے ابن عبد البر رحمہ اللہ کی اصل بنیاد نامعلوم ہونے کے سبب یہ قول غیر معتبر ہے۔

ہاں امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے کہ:

أدرک علیاً، وروى عن: جابر بن سمرة، وأبي هريرة، وروايته عن علي ﷺ، مرسل،

انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو پایا ہے اور جابر بن سمرة، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور علی رضی اللہ عنہ سے ان

کی روایت مرسل ہے [الجرح والتعديل: ۹/۱۲۰]

لیکن اس قول میں مطلقاً سماع کا انکار نہیں ہے بلکہ پہلے ادراک کی بات کہنے کے بعد علی رضی اللہ عنہ سے ان کی روایت کو

مرسل کہا گیا ہے، جس کا مطلب صرف یہ ہے علی رضی اللہ عنہ سے ان کی مرفوع روایت مرسل ہوگی، لیکن یہ علی رضی اللہ عنہ کا کوئی

قول یا واقعہ بیان کریں تو اس میں سماع کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر کوئی اس قول کو مطلق سماع کے انکار پر محمول کرے

تو پھر یہ غیر مقبول ہوگا کیونکہ انہوں نے ساتھ میں ادراک علی رضی اللہ عنہ کی بات بھی کہی ہے۔

مزید یہ کہ علی رضی اللہ عنہ سے ابو خالد الوالبی کے سماع کا ثبوت صحیح سند سے الگ سے بھی موجود ہے۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ نے انہیں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا بتایا ہے نیز علی رضی اللہ عنہ سے ان کے سماع کا

ثبوت بھی پیش کیا ہے۔ چنانچہ کہا:

أخبرنا محمد بن عبید، عن فطر عن أبي خالد الوالبي قال: ”خرج علينا علي بن أبي طالب ونحن قيام ننتظره

ليتقدم فقال مالي أراكم سامدين“

ابو خالد والبی کہتے ہیں کہ: ”ہمارے پاس علی رضی اللہ عنہ آئے اور ہم کھڑے ہو کر ان کا انتظار کر رہے تھے تاکہ وہ ہماری

امامت کرائیں تو علی رضی اللہ عنہ جب آئے تو کہا کہ: تمہیں کیا ہو گیا ہے تم سر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہو“ [الطبقات الكبرى: ۶/۱۲۸]

[۱۲۸، وسندہ صحیح]

”محمد بن عبید الطنافسی“ اور ”فطر بن خلیفہ“ یہ دونوں بخاری کے ثقہ راوی ہیں، عام کتب رجال۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا ان دونوں کے مابین انقطاع کا دعویٰ غلط ہے۔ لہذا محرر مذکور کی طرف سے اس روایت پر

کئے گئے دونوں اعتراضات فضول ہیں، اور یہ روایت صحیح وثابت ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس واقعے کی اور بھی صحیح سندیں ہیں،

لیکن اس قدر وضاحت ہی کافی ہے۔

بچوں کے درمیان عدل: فوائد و ثمرات

عقیق الرحمن سلفی

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وبعد.

ایک انسان کیلئے ماں باپ سے بڑھ کر کوئی اور محسن نہیں ہے، کیونکہ والدین اس کے وجود کا سبب ہیں، جب انسان دنیا میں تشریف لاتا ہے اس وقت وہ کمزور، مجبور، جاہل ہوتا ہے، ایسے وقت میں اس کی ہر ضرورت کی تکمیل یہی والدین اپنا فریضہ سمجھ کر خوشی خوشی ادا کرتے ہیں، والدین کی تکریم و تعظیم، عزت و احترام، محبت و شفقت اور حسن سلوک فطرتاً انسان کو معلوم ہے، ان کا احسان اتارنا ناممکن ہے، مقام والدین کی عظمت و رفعت کی وجہ سے ہی اللہ نے والدین کے شکر اور احسان کو اپنی عبادت اور شکر کے ساتھ ذکر کیا ہے، خصوصاً والدہ کی حمل و ولادت اور رضاعت کی تکالیف کا کئی مقام پر ذکر فرمایا ہے، تاکہ انسان اپنے رب کے ساتھ ساتھ والدین کا شکر گزار رہے، اور یہ شکر گزاری، احسان مندی، حسن سلوک خود انسان کی موت تک جاری رہے، والدین کے ساتھ بدسلوکی، بے رحمی، بے ادبی، تلخ کلامی کا کوئی جواز انسان پیش نہیں کر سکتا ہے، بڑھاپے میں ”اف“ تک کہنے سے منع فرمادیا گیا ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک کیلئے اللہ نے ماں اور باپ کے جس احسان کا ذکر کیا ہے وہ احسان ہر والدین اپنی اولاد کے ساتھ کرتے ہی ہیں، ابتداءً حمل سے لیکر درزہ اور ولادت اور پھر دودھ کی شکل میں خون جگر سے پرورش و رضاعت کے دو سال تک تکلیف پر تکلیف، درد پر درد اٹھانا، بخوشی جھیلنا اور پھر اس طویل مدت تک باپ کا اپنا، وقت، مال، محبت، توجہ اور نگرانی کی قربانی ایک ایسا احسان ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي

وَلِوَالِدَيْكَ إِلَى الْمَصِيرِ﴾

”ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے“ [لقمان: ۱۴]

”إِلَى الْمَصِيرِ“ ”(تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے“ کہہ کر اللہ نے شوق اور خوف دلایا ہے کہ اگر تم

نے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا، تو میرے پاس انعام و اکرام اور جنت ہے، اور اگر انہیں ضائع کیا، بدسلوکی کیا تو لوٹ کر میرے پاس آؤ گے تو میں سزا دوں گا، صالح اولاد کیلئے تشویق اور طالح اولاد کیلئے تنخوف کا مقام ہے۔ والدین کی اس عظمت و شان کے ساتھ ساتھ شریعت نے ان پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں، ان کی ادائیگی سے ان کی عظمت میں چار چاند لگ جاتے ہیں، ان کا مقام رب کے یہاں مزید بڑھ جاتا ہے، ان کی سعادت اور خوش نصیبی میں اضافہ ہو جاتا ہے، درحقیقت ہر منصب کا حجم ذمہ داریوں سے ہی طے ہوتا ہے، جتنا بڑا مقام و مرتبہ اتنی ہی بڑی ذمہ داریاں، ذمہ دار انسان رب کا محبوب بندہ ہے، قیامت کے دن کامیاب ہوگا، رب اسے انعام عطا فرمائے گا، جنت دے گا، اور ذمہ داریوں کو ضائع کرنے والا رب کو ناراض کرتا ہے، قیامت کے دن سزا پائے گا اور ناکام ہوگا۔ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

”أَلَا كَلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ“ ”تم میں سے ہر شخص نگران (ذمہ دار) ہے اور ہر ایک سے سوال ہوگا اس کی رعیت کا“ [صحیح مسلم: ۴۷۲۴]

آپ نے خصوصی طور پر ماں باپ کو گھر اور اولاد کا ذمہ دار قرار دیا، جس کے متعلق قیامت کے دن سوال ہوگا، آج اس ذمہ داری کو ادا کرنے والے والدین کل رب کے مہمان ہونگے، اور من مانی کرنے والے والدین قیامت کے دن عذاب میں گرفتار ہونگے۔ آپ نے فرمایا:

”وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا“ ”انسان اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا“ [صحیح بخاری: ۸۹۳]

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اولاد کے تئیں اپنی ذمہ داریاں نبھائیں، تاکہ رب العالمین کی نوازشیں اور رحمتیں پائیں، اللہ ہمیں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کی توفیق بخشے۔ آمین

☆ اولاد کے درمیان عدل و انصاف: والدین کی ایک اہم ترین ذمہ داری بچوں کے درمیان عدل کرنا ہے، اسلام عدل و انصاف کا دین ہے وہ ہر حال میں عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے، ظلم کسی بھی حال میں قابل برداشت نہیں، آسمان و زمین کا نظام عدل کی وجہ سے ہی قائم ہے، ظلم سے صرف تباہی اور بربادی وجود میں آتی ہے، اسلام اسی لئے والدین کو بھی حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے تمام بچوں کے درمیان ہر حال میں عدل و انصاف کریں، جب تحفہ دیں تو سبھی کو عطا کریں، جب پیار کریں تو سبھی کو کریں، ان کی تعلیم و تربیت، توجہ و نگرانی میں عدل و انصاف کریں، یہ والدین کی ذمہ

داری ہے، رسول ﷺ نے عدل کرنے کا حکم دیا ہے:

”اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ، اعْدِلُوا بَيْنَ آبَائِكُمْ“

”اپنی اولاد کے درمیان انصاف کیا کرو، اپنے بیٹوں کے حقوق کی ادائیگی میں برابری کا خیال رکھا کرو“ [سنن ابی

داؤد: ۳۵۴ صحیح]

بچوں کے درمیان عدل و انصاف، انفاق، تعلیم و تربیت کا حکم اسی طرح اہم ہے جس طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا حکم دیا گیا ہے، جس طرح والدین کے ساتھ بدسلوکی ظلم ہے اسی طرح اولاد کے درمیان برابری نہ کرنا، ان پر مال نہ خرچ کرنا، لاپرواہ ہو جانا ظلم و ناانصافی ہے، شریعت نے احسان کا بدلہ احسان ہی قرار دیا ہے، والدین کو اپنے بچوں کے ساتھ احسان کرنا ہے تاکہ بچے بھی ان کے ساتھ احسان کریں۔

اولاد کے درمیان عدل اور ظلم کے بڑے دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں، عدل بچوں کے درمیان رشتوں کو مضبوط کرتا ہے، خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ والدین کے احترام میں اضافہ کا سبب بنتا ہے، والدین کے تئیں دلوں میں محبت اور نرمی پیدا ہوتی ہے اس کے برعکس ظالمانہ سلوک سے بچوں میں حسد، تعصب، احساس کمتری پیدا ہوتی ہے، دلوں میں نفرت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے، مظلوم بچہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے، بسا اوقات اس کے اثرات پوری زندگی ختم نہیں ہو پاتے ہیں، والدین کے ساتھ حسن سلوک سے ہی نفرت ہو جاتی ہے، ظلم کرنے والے اور اولاد کے درمیان تفریق کرنے والے والدین کو اس کے خوفناک اثرات پر غور کرنا چاہئے، ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ سارے بچے ان سے پیار کریں، حسن سلوک کریں، نیکی اور بھلائی کریں، تو انہیں بھی بچوں کے درمیان عدل و انصاف کرنا چاہئے، ان کی ناانصافی کی نحوست ایسی دل شکن ہوتی ہے کہ ظالم والدین مظلوم بچے کے حسن سلوک سے سدا محروم رہتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے اسی پہلو کو ایک حدیث میں یوں واضح فرمایا:

”أَيُّسْرُكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: فَلَا إِذَا“

”کیا تو خوش ہے اس سے کہ تیرے ساتھ نیکی کرنے میں سب برابر ہوں۔ میرا باپ بولا: ہاں۔ آپ ﷺ نے

فرمایا: تو پھر ایسا مت کر۔ (یعنی ایک کو دے، ایک کو نہ دے)“ [صحیح مسلم: ۴۱۸۵]

آج سماج میں ایسے والدین بکثرت موجود ہیں جو اپنی اولاد کی بے رخی سے پریشان ہیں، ان کی بدسلوکی سے نالاں ہیں، اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں کو وہ پیار نہیں دیا جو دینا چاہیے تھا، ان کے ساتھ بچپن میں جو قرب و نزدیکی اور گہرے تعلقات بنانے تھے، وہ نہیں بنائے گئے، جو احسان اور عدل و انصاف کرنا تھا وہ نہیں کیا گیا

اس لئے بطور نتیجہ کے اولاد والدین کے ساتھ حسن سلوک سے راہ فرار اختیار کئے ہوئے ہے، اور یہی بات اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری ساری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کرے تو تمہیں بھی ان کے ساتھ نیکی اور عدل کرنا چاہئے۔

قابل قدر والدین!!! اللہ نے اولاد کی شکل میں جو نعمت آپ کو عطا فرمائی ہے یہ اللہ کی امانت ہے، ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت آپ کی ذمہ داری ہے، سارے بچے آپ کے خون جگر ہیں، ان کے ضروریات کی تکمیل اور تحائف و ہدایا میں برابری کرنا آپ پر فرض ہے، قلبی میلان، خواہش نفس کی بنا پر اولاد کے درمیان نا انصافی اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی ہے، اولاد کے درمیان دشمنی اور دنیا و آخرت میں رسوائی کا سبب ہے، ذرا سوچو کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے اولاد کے ساتھ عدل و انصاف کیا، لیکن یوسف علیہ السلام کے ساتھ آپ کی شدید محبت نے ان کے دوسرے بچوں کو باپ سے بدنظر کر دیا، اور حسد نے ان کو مجبور کر دیا کہ یوسف کو ہر حال میں باپ سے جدا کر دیں تاکہ باپ کی محبت وہ پاسکیں، اور وہ یہ مجرمانہ کام کر گزرے حالانکہ وہ ایک پاکیزہ گھر، عظیم نبی کے زیر سایہ پرورش پائے ہوئے تھے، ذرا غور کیجئے ہم جیسے گناہ گار لوگ اگر اپنے بچوں کے درمیان نا انصافی کریں گے، ایک کو دیں گے دوسروں کو محروم کریں گے، تو ان کے دلوں میں کیسی نفرتیں، عداوتیں، کدورتیں جنم لیں گی اس کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے ہیں، ایک ماں اور باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کے درمیان الفت و محبت کے رشتہ کو مضبوط کریں، لیکن آپ عدم مساوات کی وجہ سے بچوں کو ایک دوسرے کا اور خود اپنا دشمن بنا رہے ہوتے ہیں، آپ ایسا نہ کریں، تاکہ آپ کا گھرا من و سکون کا گوارا بنا رہے، اور آپسی الفت و محبت قائم و دائم رہے۔

اولاد کے درمیان برابری اور عدل کی اہمیت سمجھنا اور سمجھانا بے حد ضروری ہے، بسا اوقات انسان نادانی میں عدم مساوات کرتا ہے، اور یہ نادانی اس کیلئے خطرناک ہے، اس کا حل یہ ہے کہ انسان فیملی سے متعلق مسائل کا علم حاصل کرے تاکہ اپنی ذمہ داریاں ادا کر سکے، اور اپنی فطری محبت سے ہر بچے کو سرشار کرے، بنا بھید بھاؤ اپنی شفقت و محبت سب پر نچھاور کرے، اور بسا اوقات ظلم و نا انصافی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کرتا ہے، اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں کچھ بھی کروں، میرا کوئی کیا باگاڑ لے گا، بعض اولاد کی ہر ضرورت پوری کرنا، بعض کو بالکل نظر انداز کر لینا، بعض کی عزت کرنا اور بعض کی توہین کرنا، بعض کو قریب رکھنا اور بعض کو پاس بھی بھٹکنے نہ دینا، بعض سے کام زیادہ لینا بعض کو آرام دینا، بعض سے نفرت اور بعض سے محبت کرنا، بعض کے ساتھ نرمی کرنا بعض کو سردا ڈانٹ ڈپٹ کرنا ایسے بے شمار حالات ہیں جو ہمارے گھروں کا حصہ بن چکے ہیں، اور ہمیں پرواہ نہیں ہے حالانکہ یہ ظلم کی شکلیں ہیں، جن کے برے اثرات

جلد ہی ظاہر ہو جاتے ہیں، اور ہمارا فیملی سسٹم، اولاد اور والدین، بھائی اور بہن کا رشتہ ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے ہم تکبر سے اپنے آپ کو بچائیں اور اللہ کا ڈر دل میں لائیں تاکہ ظلم سے ہم بچ سکیں، اسی لئے پیارے رسول ﷺ نے اولاد کی ضروریات کی تکمیل میں اور تحفہ و عطا یا دینے میں عدل و انصاف کا حکم دیا ہے، اور بعض کو دینے اور بعض کو محروم کر دینے کو ”ظلم“ قرار دیا ہے، اور صحابی رسول نے ظلم کی شناعت و قباحت کو سمجھا اور فوراً دیا ہوا عطیہ واپس لے لیا۔ اسی جذبہ اتباع اور دینی سمجھ کی ہمیں ضرورت ہے، تاکہ ہم اسلامی تعلیمات سے استفادہ کر سکیں۔

محترم قارئین: والدین کا مقام بہت بلند ہے، ان کا اپنے ہی اولاد کے ساتھ ظلم کرنا بہت ہی شرمناک ہے، والدین کے رفعت و مقام اور ایمان کا تقاضہ ہے کہ اولاد کے حقوق ادا کئے جائیں، ان کے درمیان عدل کیا جائے تاکہ باہمی الفت قائم رہے، اولاد کے دل میں والدین کا احترام باقی رہے، اور بھائی بہنوں کا رشتہ مضبوط رہے، اخلاقی خرابیوں سے گھر اور سماج محفوظ رہیں۔

خوش نصیب ہیں وہ والدین جو اپنے بچوں کے درمیان عدل و انصاف کرتے ہیں، ان کے حقوق ادا کرتے ہیں، اپنے فیصلوں میں عدل کرتے ہیں، آخرت میں ایسے لوگ رب کے پاس بڑی ہی عزت پانے والے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”إِنَّ الْمُقْسَطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَىٰ مَنْابِرٍ مِّنْ نُورٍ عَنِ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكَلَّمْنَا يَدَيْهِ يَمِينُ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا“

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ انصاف کرتے ہیں وہ اللہ عز و جل کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے پروردگار کے داہنی طرف اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں (یعنی بائیں ہاتھ میں جو داہنے سے قوت کم ہوتی ہے یہ بات اللہ تعالیٰ میں نہیں کیونکہ وہ ہر عیب سے پاک ہے) اور یہ انصاف کرنے والے وہ لوگ ہیں جو حکم کرتے وقت انصاف کرتے ہیں اور اپنے بال بچوں اور عزیزوں میں انصاف کرتے ہیں اور جو کام ان کو دیا جائے اس میں انصاف کرتے ہیں“ [صحیح مسلم: ۴۷۲۱]

اللہ ہمیں بچوں کے درمیان عدل کرنے والا اور اپنی اولاد سے سچی اور خالص محبت کرنے والا بنائے۔ آمین ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾

”اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا“ [الفرقان: ۷۴] ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

ناشکری کے اسباب اور اس کی عبرت ناک سزائیں

ابوالبلیان رفعت سلفی

شکرگزاری اور ناشکری دونوں ایک دوسرے کے اپوزٹ ہیں، اگر شکرگزاری اللہ کی نعمتوں کے حصول کا ایک اہم ذریعہ ہے تو ناشکری اللہ کے غضب اور اس کے دردناک عذاب کو واجب کرنے والی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾

”اگر تم شکرگزاری کرو گے تو بیشک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت

ہے“ [ابراہیم: ۷]

اللہ کے بندوں میں سے شکر گزار بندوں کی تعداد ہر زمانے میں بہت کم رہی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ﴾

”میرے بندوں میں شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں“ [سورۃ سبأ: ۱۳]

ناشکری کے چند اسباب :

۱۔ اپنے سے مالداروں کی طرف دیکھنا: جب انسان دنیاوی نعمتوں سے متعلق اپنے سے آسودہ حال اور مالداروں کو دیکھتا ہے تو ناشکر بن جاتا ہے اور جب اپنے سے غریبوں اور بد حال و مفلس لوگوں کو دیکھتا ہے تو اللہ کا شکر گزار بندہ بن جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فَضَّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال اور شکل و صورت میں اس سے بڑھ کر ہو تو اسے چاہئے کہ ایسے شخص کی طرف دیکھ لے جو مال اور شکل و صورت میں اس سے کم درجے کا ہے“ [صحیح بخاری: ۶۴۹۰]

۲۔ صرف دنیا کو مقصد زندگی سمجھ لینا: جو لوگ فکر آخرت سے بالکل غافل ہو کر دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں میں گم ہو جاتے ہیں ایسے لوگ بھی بڑے ناشکرے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ﴾

”اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا فائدہ اٹھاتے اور کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں ان کا (اصل) ٹھکانہ جہنم ہے“ [محمد: ۱۲]

مذکورہ آیت کریمہ کی شرح کرتے ہوئے علامہ سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کافر دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دنیا کی جو نعمتیں ملی ہیں انہی میں زندگی گزارتے ہیں اور چوپایوں کی طرح کھاتے ہیں کھانے پینے اور جماع کرنے کے سوا ان کی زندگی کا کوئی بھی مقصد نہیں ہوتا، اور جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے“ [بحر العلوم للسمرقندی]

۳۔ نعمتوں پر اترنا: جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ نعمتیں مجھے ملی ہیں سب میری کوششوں کا نتیجہ ہیں اس میں اللہ کا کوئی احسان نہیں ایسے لوگ کبھی اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے ایسے لوگ قارون صفت ہیں جس قارون کو اللہ نے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

۴۔ بخیلی اور کنجوسی کرنا: بخیلی اور کنجوسی بھی ناشکری کا ایک اہم سبب ہے کیونکہ بخیل اور کنجوس لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے تو وہ بہت جلد ختم ہو جائے گا پھر واپس نہیں ملے گا اس لئے بخیل اور کنجوس لوگ ہمیشہ اللہ کی ناشکری کرتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بخیلی اور فضول خرچی دونوں سے منع فرمایا ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾

”اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں“ [الفرقان: ۶۷]

۵۔ شیطان اور نفس کی پیروی کرنا: نفس اور شیطان کی پیروی بھی انسان کو ناشکری پر ابھارتی ہے کیونکہ نفس بہت حریص ہوتا ہے اور شیطان اللہ کا سب سے بڑا ناشکر ہے اور اس کا مقصد انسانوں کو رب کا ناشکر ابنانا ہی ہے، نفس کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

”جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچالیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں“ [الحشر: ۹]

شیاطین کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُبَدِّرْ تَبْدِيرًا. إِنَّ الْمُبَدِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾

”اور اسراف اور بے جا خرچ سے بچو بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار

کا بڑا ہی ناشکر ہے“ [بنی اسرائیل: ۲۶، ۲۷]

ناشکری کی عبرت ناک سزائیں :

۱۔ بھکری کا عذاب: ۲۔ خوف کا عذاب:

اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعَمِ

اللَّهِ فَأَذَقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾

”اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن و اطمینان کے ساتھ تھی، اس کی روزی اس کے پاس

بآسانی فراغت ہر جگہ سے چلی آرہی تھی، پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزا

چکھایا جو بدلہ تھا ان کے کرتوتوں کا“ [سورۃ النحل: ۱۱۲]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: آیت کریمہ میں قریہ سے مراد مکہ والے ہیں

جو بہت چین اور اطمینان کی زندگی گزار رہے تھے، آس پاس کے علاقوں میں لڑائیاں ہوتیں لیکن مکہ کی طرف کوئی آنکھ

اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا تھا جو یہاں آجاتا امن و امان میں آجاتا۔

لیکن پھر بھی یہ اللہ کی نعمتوں کے منکر ہی رہے جن میں سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت و نبوت تھی،

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سرکشی کی سزا میں دونوں نعمتیں زحمتوں سے بدل دیں امن کو خوف سے بدل دیا اور

اطمینان کو بھوک اور گھبراہٹ سے۔

قارئین کرام! یہ جو برا انجام اہل مکہ کو نبی ﷺ کا انکار اور ان کی نافرمانی کی وجہ سے پھیلنا پڑا ”کہ ان کا امن خوف

میں اور اطمینان بھوکری اور گھبراہٹ میں اللہ نے بدل دیا“ یہ صرف اہل مکہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ کا یہ اصول

قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے ہے، آج بھی اگر کوئی شخص امن و اطمینان کی زندگی میں رہ کر کھلم کھلم

رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی اور آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرتا ہے تو اسے بھی ڈرنا چاہئے کہ کہیں اللہ اس کے

امن کو خوف اور اطمینان کو بھوکری اور گھبراہٹ میں تبدیل نہ کر دے۔

۳۔ سخت ترین عذاب: اللہ کا فرمان ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾

”اگر تم شکرگزارى کرو گے تو بیشک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت

ہے“ [ابراہیم: ۷]

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾

”اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکرگزارى کرتے رہو اور صاحب ایمان رہو اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے

والا اور پورا علم رکھنے والا ہے“ [النساء: ۱۴۷]

مذکورہ آیت کریمہ میں اگرچہ منافقین سے خطاب ہے کہ اگر منافقین بھی نفاق سے باز آ کر مومن اور شکرگزار بندے بن جائیں تو اللہ انہیں بھی معاف کر دے گا۔ لیکن آیت کریمہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے لئے ہے جو لوگ بھی ایمان اور شکرگزارى کی زندگی گزاریں گے وہ ہمیشہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شکرگزارى کا مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق برائیوں سے اجتناب اور عمل صالح کا اہتمام کرنا یہ گویا اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ہے، اور ایمان سے مراد اللہ کی توحید ربوبیت پر اور نبی

آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے۔ [تفسیر احسن البیان: ۲۶۸]

۴۔ نعمتوں سے محرومی: اس سے متعلق صرف دو واقعہ پیش خدمت ہے ایک صحیح بخاری کا دوسرا باغ والوں کا واقعہ جو سورہ قلم میں موجود ہے۔

کوڑھی، اندھے اور گنجهے کا نصیحت آموز واقعہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا: ”کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے، ایک کوڑھی، دوسرا اندھا، تیسرا گنجا، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان تینوں کا امتحان لے چنانچہ ان تینوں کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، فرشتہ پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تمہیں سب سے زیادہ کون سی چیز پسند ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اچھا رنگ اور اچھی چڑی کیونکہ لوگ مجھ سے گھن کھاتے ہیں۔ نبی ﷺ نے بیان کیا کہ فرشتے نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری دور ہو گئی اور اس کا رنگ بھی خوبصورت ہو گیا اور چڑی بھی اچھی ہو گئی۔ فرشتے نے پوچھا کس طرح کا مال تم پسند کرتے ہو؟ اس نے جواب میں اونٹ یا گائے کہا اسحاق بن عبد اللہ کو اس میں شک تھا کہ کوڑھی اور گنجهے دونوں میں سے ایک نے اونٹ یا گائے کی خواہش ظاہر کی اور دوسرے نے گائے کی، چنانچہ اسے حاملہ اونٹنی دی گئی، اور کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے گا۔ پھر فرشتہ گنجهے کے پاس

آیا اور اس سے پوچھا تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا کہ عمدہ بال، اور موجودہ عیب میرا ختم ہو جائے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، نبی ﷺ نے بیان کیا کہ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا عیب جاتا رہا اور اس کے سر میں عمدہ بال آگئے۔ فرشتے نے کہا تمہیں سب سے زیادہ کون سا مال پسند ہے؟ اس نے کہا کہ گائے، نبی ﷺ نے بیان کیا کہ فرشتے نے اسے ایک حاملہ گائے دے دی، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔ پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور پوچھا کہ تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے آنکھوں کی بینائی عطا فرمادے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں، نبی ﷺ نے بیان کیا کہ فرشتے نے اس کی (آنکھوں) پر ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی اسے واپس لوٹا دی، پھر پوچھا تمہیں سب سے زیادہ کس طرح کا مال پسند ہے، اس نے کہا کہ بکریاں فرشتے نے اسے ایک حاملہ بکری دے دی، پھر تینوں جانوروں کے بچے پیدا ہوئے یہاں تک کہ کوڑھی کے اونٹوں سے اس کی وادی بھر گئی، گائے بیل سے گنچے کی وادی بھر گئی، اور بکریوں سے اندھے کی وادی بھر گئی۔

پھر دوبارہ فرشتہ اپنی اسی شکل میں کوڑھی کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک نہایت مسکین اور فقیر آدمی ہوں میرے سفر کے تمام سامان اور اسباب ختم ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے حاجت پوری ہونے کی امید نہیں، لیکن میں تم سے اسی ذات کا واسطہ دے کر، جس نے تمہیں اچھا رنگ، اچھا چمڑا اور اچھا مال عطا کیا ہے ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں جس سے سفر پورا کر سکوں، اس نے فرشتے سے کہا میرے ذمہ اور بہت سے حقوق ہیں۔ فرشتے نے کہا غالباً میں تمہیں پہچانتا ہوں کیا تمہیں کوڑھ کی بیماری نہیں تھی جس کی وجہ سے لوگ تم سے گھن کھاتے تھے؟ تم ایک فقیر اور قلاش انسان تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ چیزیں عطا کیں؟ اس نے کہا یہ ساری دولت تو میرے باپ دادا سے چلی آ رہی ہے؟ فرشتے نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں پہلی حالت پر لوٹا دے۔ فرشتہ گنچے کے پاس اپنی اسی پہلی صورت میں آیا اور اس سے بھی وہی درخواست کی، اور اس نے بھی وہی کوڑھی والا ہی جواب دیا، فرشتے نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تمہیں اپنی پہلی حالت پر لوٹا دے۔ اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس آیا اپنی اسی پہلی صورت میں، اور کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں، سفر کے تمام سامان ختم ہو چکے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی اور سے حاجت پوری ہونے کی توقع نہیں، میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر، جس نے تمہیں تمہاری بینائی واپس دے دی، ایک بکری مانگتا ہوں جس سے اپنے سفر کی ضروریات پوری کر سکوں، اندھے نے جواب دیا کہا کہ واقعی میں اندھا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے بینائی عطا فرمائی، اور واقعی میں فقیر محتاج تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مالدار بنایا، تم جتنی بکریاں چاہو لے سکتے ہو، اللہ کی قسم جب تم نے اللہ کا واسطہ دے دیا تو جتنا بھی تمہارا جی چاہے لے جاؤ میں تمہیں ہرگز نہیں روک سکتا، فرشتے

نے کہا تم اپنا مال اپنے پاس رکھو، یہ تو صرف امتحان تھا، اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی اور خوش ہے، اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہے۔ [صحیح بخاری: ۳۶۶۴]

قارئین کرام! مذکورہ واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ناشکری بہت بڑا گناہ ہے ہمیں اندھے کی طرح ہمیشہ اللہ کی نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اپنی زندگی کے گزشتہ مشکل حالات کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے اور کبھی مصیبت آجائے تو صبر کرنا چاہئے ورنہ اگر ہم نے بھی اللہ کے نعمتوں کی قدر نہ کی ہمیشہ اللہ کی ناشکری کرتے رہے تو ہمارا انجام بھی کوڑھی اور گنجے جیسا ہوگا اللہ تعالیٰ ہماری تمام نعمتیں ہم سے چھین کر ذلیل و خوار کر دے گا پھر ہم بیٹھ کر کف افسوس ملتے رہ جائیں گے۔ دوسرے واقعہ کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرُنَّهَا مُصْبِحِينَ وَلَا يَسْتَشْنُونَ. فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ. فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ﴾

”بیشک ہم نے انہیں اسی طرح آزمایا جس طرح باغ والوں کو آزمایا تھا جبکہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل اتار لیں گے اور ان شاء اللہ نہ کہا، پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چاروں طرف گھوم گئی اور یہ سوہی رہے تھے، پس وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی“ [القلم: ۱۷ تا ۲۰]

علامہ الواحدی نیساپوری رحمہ اللہ مذکورہ آیتوں کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں کہ: ہم نے اہل مکہ کو بھوک اور قحط سالی سے آزمایا جیسا کہ اس سے پہلے باغ والوں کو آزمایا تھا جب ان کا باغ برباد ہو گیا تھا، وہ قوم ثقیف کے مسلمان لوگ تھے جو یمن (صنعاء) میں رہتے تھے، انہیں اپنے باغ کی میراث سے باغ کھیتیاں اور کھجور وغیرہ ملے تھے، اور ان کا باپ کھیتوں کے کٹنے اور کھجور اور باغ کا پھل توڑنے کے وقت اس میں سے مسکینوں کا حصہ بھی نکالتا تھا، لیکن باپ کی وفات کے بعد (لا لچی) بیٹوں نے کہا کہ: ہمارے پاس مال کم اور اہل و عیال زیادہ ہیں، اب ہمارے لئے مسکینوں کو دینے کی وہ گنجائش باقی نہیں رہی جو والد محترم کے زمانے میں باقی تھی، اس طرح انہوں نے باغ کا پھل توڑتے وقت مسکینوں کو بالکل محروم کرنے کا عزم کر لیا تو ان کا وہی انجام ہوا جو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرُنَّهَا مُصْبِحِينَ. وَلَا يَسْتَشْنُونَ﴾

”جب انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل کو اتار لیں گے، اور ان شاء اللہ نہ کہا“ [القلم: ۱۷، ۱۸]

یعنی رات کی تاریکی ہی میں باغ کا پھل اتار لیں گے کہ مسکینوں کو خبر ہی نہ ہو سکے گی کہ یہ لوگ پھل توڑنے جا رہے

ہیں، اور اس بات پر انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پھر اللہ کی طرف سے آگ آئی اور پورے باغ کو جلا کر خاکستر کر ڈالا۔ اور مقاتل فرماتے ہیں کہ: اللہ نے رات کے وقت ایک آگ بھیجی جس نے پورے باغ کو جلا ڈالا جس سے پورا باغ (راکھ) کی وجہ سے بالکل کالا ہو گیا، اسی بات کو اللہ نے اپنے اس قول فاصبحت كالصريم میں بیان کیا ہے، پس جب صبح ہوگئی تو بعض نے بعض کو صبح جگایا کہ چلو صبح باغ کا پھل توڑ لیں۔ پس وہ اپنے باغ کی طرف صبح آپس میں کانا پھوسی کرتے ہوئے چل پڑے کہ آج ہرگز کوئی مسکین باغ کا پھل توڑتے وقت باغ میں داخل نہیں ہو سکے گا، اور مسکینوں پر غصہ کرتے ہوئے باغ کی طرف لپکے کی آج ہم مسکینوں پر قابو پالیں گے، پس جب وہ باغ کی جگہ پہنچے اور وہاں راکھ کے سوا کچھ نہیں پایا تو آپس میں کہنے لگے کہ بیشک ہم باغ کا راستہ ہی بھول گئے ہیں۔ پھر جب انہوں نے جان لیا کہ نہیں ہم راستہ نہیں بھولے ہیں بلکہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو مسکینوں کو محروم کرنے کی وجہ سے ہم پر اللہ نے بھیجا ہے، پھر جوان میں سب سے بہتر تھا اس نے کہا کہ کیا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں بیان نہیں کرتے، یعنی تم لوگوں نے چلتے وقت ان شاء اللہ کیوں نہیں کہا؟ پھر سب یک زبان ہو کر بولے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم ہی ظالم تھے جو مسکینوں کو باغ کے پھل میں سے حصہ نہیں دینا چاہتے تھے۔ پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے ایک کہتا مسکینوں کو دینے سے تم روک رہے تھے دوسرا کہتا مسکینوں کو دینے سے تم منع کر رہے تھے، پھر سب کہنے لگے ہائے افسوس ہم سرکش تھے جو اپنے باپ کے مسکینوں کو ان کا حق نہیں دیا، پھر سب اللہ کی طرف لوٹے اور اس سے کہنے لگے کہ: کیا عجب ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے ہم تو اب اپنے رب سے ہی امید رکھتے ہیں، یوں ہی آفت آتی ہے، اور آخرت کی آفت بہت بڑی ہے کاش وہ سمجھ لیتے۔ [التفسیر: الوسیط للواحدی: ج: ۴، ص: ۳۳۶-۳۳۷]

قارئین کرام! مذکورہ واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنی کھیتی باغ اور تجارت وغیرہ کی آمدنی میں سے قرابت داروں، مسکینوں بے کسوں اور بیواؤں کا بھی حق ادا کرنا چاہئے ورنہ باغ والوں نے اپنے نیک باپ کے طریقے کے خلاف مسکینوں کو صرف نہ دینے کی نیت کی تھی اور اللہ نے ان کے باغ کو ہلاک کر دیا، ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو صاحب حیثیت ہونے کے باوجود قرابت داروں اور مسکینوں کو اپنے دروازوں اور اپنی دکانوں سے دھتکار دیتے ہیں۔ ان کا انجام تو اور بھی برا ہو سکتا ہے۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرما اور ناشکری و نافرمانی کے کاموں سے بچا اور خاتمہ بالخیر نصیب فرما۔ آمین یا رب العالمین

مشکل کے ساتھ آسانی ہے

ابوسفیان ہلالی

اذیت اور دکھ سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ اذیت برداشت کرنا کبھی رائیگاں نہیں جاتا، اس کے بدلے انسان کو راحت یعنی خوشی مل کر ہی رہتی ہے۔ ہم کو کاتبِ تقدیر سے شکوے شکایت کرنے کے بجائے اپنے سینے اذیت کے لئے کھول کر اسے قبول کر کے اس پر راضی بھی رہنا چاہیے۔ اس لئے کہ ہمیں اسی کی تعلیم دی گئی ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے ہر فیصلے پر خوش رہو گے تو تم دنیا کے سب سے مالدار اور بے نیاز انسان بن جاؤ گے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ پردہ غیب سے اپنی طرف آنے والے ہر دکھ کو خندہ پیشانی سے قبول کریں اور کسی بھی حال میں مایوسی کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دیں۔ اور یہاں اذیت اور دکھ سے مراد ”غم“ نہیں ہے بلکہ ہر وہ عمل یا کیفیت ہے جو ہمارے نفس کے لئے ناپسندیدہ ہو، اس میں مشقت، بھوک، موسموں کی سختی، محرومی، صبر، ندامت، الجھن، خوف، نارسائی اور بیماری وغیرہ وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن سے ہمارے نفس کو ٹھیس پہنچے، جن کا سامنا کرنے سے ہم گھبراتے ہوں اور جو کسی بھی صورت میں قبول نہیں ہوتی ہیں، ہمیں ان ساری کیفیات کو تہہ دل سے خوش آمدید کہنا چاہیے اور اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ یہ ساری کیفیات ایک نہایت حساس ترازو میں تولی جا رہی ہیں اور ان کے بدلے ان کے وزن کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ راحت ہمیں مل کر رہے گی اور یہاں راحت سے مراد صرف ”خوشی“ یا ”آسانی“ ہی نہیں بلکہ وہ تمام حالتیں اور کیفیات مراد ہیں جنہیں ہمارا نفس پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے، مثلاً ترقی، کامیابی، برکت، محبت، فخر، آرام، خوبصورتی، صحت اور بینک بیلینس وغیرہ۔

اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو قدرت دراصل ہمیں غم دے کر خوشی کی نوید سناتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ ہمارا امتحان بھی ہوتا ہے، قدرت ہم پر اپنے انعامات کی بارش کرنے کے لئے ہمارے برداشت کو آزماتی ہے اور ہمارے ظرف کو پرکھتی ہے۔ اسی لئے میرے رب نے قرآن کے اندر کہا ہے کہ اپنے رب کی رحمت سے صرف گمراہ اور کافر انسان ہی محرومی کا شکار ہوتا ہے ورنہ تو ایک مومن اور مسلمان کا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ ہر طرح کی مصیبت اللہ کی طرف سے آتی ہے اور کوئی بھی تکلیف اللہ کی اجازت کے بغیر ہمیں نہیں پہنچ سکتی ہے اور اسی لیے اس کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ ”فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا“ ”بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔“

یوم عاشوراء اور محرم الحرام

تحریر: عائشہ نوریہ

محرم عربی اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے دین میں سراپا حرمت و عظمت اور برکت کا مہینہ ہے، اسی طرح قمری سال کے بارہ مہینوں میں رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے مہینے بھی عظیم و محترم قرار دیئے گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حرمت والے مہینوں کی تشریح اس طرح بیان کی ہے: ”تین پے درپے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے“ [صحیح بخاری: ۳۱۹۷]

محرم ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرمت والا مہینہ قرار دیا ہے، جس میں خاص طور پر لڑائی جھگڑا، فتنہ و فساد، بدعات و خرافات اور طرح طرح کی لڑائیوں سے منع کیا گیا ہے، اسی مہینے سے ہجری سال کا آغاز ہوتا ہے، ہجری سن کا استعمال رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا جس کی بنیاد نبی کریم ﷺ کے واقعہ ہجرت پر ہے، اور ہجرت کا یہ پورا واقعہ مظلومی و بے کسی کی ایک یادگار ہے، اسلامی سن ہجری کا یہ پہلا مہینہ جس کی آمد ہمیں صبر و ثبات قدمی اور اپنے دین پر استقامت کا پیغام دیتی ہے، جس سے یہ درس ملتا ہے کہ ایک مظلوم مسلمان اپنے دینی مشن میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہے، اس نئے سال کی آمد پر نالہ، نوحہ و ماتم کے بجائے ماضی کے آئینہ میں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ ہم نے ایک سال کی مدت میں کیا کھویا اور کیا پایا، آخرت کی تیاری، دین سے وابستگی، قوم و ملت کی فلاح و کامرانی کی کوششوں اور اللہ کے دین کی نشر و اشاعت میں جو کمیاں اور کوتاہیاں رہ گئی ہیں مستقبل میں کامیابی کے لئے نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کمزور پہلوؤں کے اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔

یوں تو ماہ محرم از اول تا آخر حرمتوں، برکتوں اور عظمتوں سے بھر پور ہے لیکن اس کی دسویں تاریخ جسے عاشوراء کہا جاتا ہے اس کی مستقل ایک شرعی حیثیت ہے، حدیث میں رمضان کے علاوہ نفل روزوں میں محرم کے روزوں کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے:

”أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللَّهِ الْمُحَرَّمِ“

”رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں“ [صحیح مسلم: ۱۱۶۳]

بالخصوص دس محرم کے روزے کی حدیث میں یہ فضیلت آئی ہے کہ یہ پچھلے ایک سال کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ اس روز آحضرت ﷺ بھی خصوصی روزہ رکھتے تھے، پھر نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی کہ یہودی بھی اس دن (دس محرم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون سے نجات ملنے کی خوشی میں) روزہ رکھتے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ عاشوراء کا روزہ تو ضرور رکھو لیکن یہودیوں کی مخالفت بھی واضح طور پر کرو۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو صحابہ نے آپ کو بتلایا کہ یہ دن تو ایسا ہے جس کی تعظیم یہود و نصاریٰ بھی کرتے ہیں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَسْنُ بَقِيَّتُ إِلَى قَابِلٍ لِأَصُومَنَّ النَّاسِعَ“ ”اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا روزہ (بھی) رکھوں گا“ [صحیح مسلم: ۱۱۳۴] لیکن اگلا محرم آنے سے قبل ہی آپ ﷺ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یوں عاشوراء اسلامی تاریخ میں خوشی اور شکر کا دن قرار دیا گیا ہے، اب ہمیشہ یہ دن اسلام کی نظر میں خوشی اور شکر کا دن رہے گا، یہ رہی اس ماہ مبارک و محترم کی اصل شرعی حیثیت کہ یہ دن اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر و سپاس کا ہے نہ کہ غم و اندوہ اور گریہ و ماتم کا۔

اب یہ علیحدہ بات ہے کہ آگے چل کر پھر اسی روز ایک انتہائی اندوہناک اور غم انگیز واقعہ کر بلا بھی پیش آ گیا جس میں نواسہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام اعوان و انصار نے ظالم اور بے رحم دشمنوں کے ہاتھوں شہادت پائی، لیکن عاشوراء کے دن یہ واقعہ پیش آ جانے سے اس کی اصلی شرعی حیثیت تو نہیں بدلی جاسکتی، دین و شریعت کی تکمیل تو محمد ﷺ کی حیات طیبہ میں ہو چکی، ہر دینی و شرعی چیز کی دینی و شرعی حیثیت بالکل متعین ہو چکی ہے، بعد میں پیش آنے والے حالات و واقعات ان حیثیتوں کو بدل نہیں سکتے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا“ [المائدہ: ۳]

لیکن افسوس امت مسلمہ کے ایک طبقہ نے یوم عاشوراء کو مستقل طور پر غم و الم کا دن قرار دیا ہے۔

لہذا عاشوراء اور محرم الحرام کو عزا داری اور گریہ و ماتم اور سینہ کوبی سے تبدیل کرنا سراسر دین و شریعت پر ظلم اور بے راہ روی و بے دینی ہے، اہل اسلام کے لئے ایسی لغو اور بیہودہ رسموں سے پرہیز لازم ہے۔ جب احکام الہی کا پاس و لحاظ

اٹھادیا جاتا ہے تو اللہ کی محبت اور رسول کی محبت کے کیا معنی ہیں؟ اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت ہی کا پاس و لحاظ باقی نہ رہا تو رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے دعوائے محبت کیا چیز رہی؟ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نواسہ رسول ہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، لہذا اشرف رسالت اللہ کی نسبت سے ہے، جب اللہ نہیں تو رسول کس کا؟ اور جب رسول نہیں تو اہل بیت کس کے؟ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ جس دین و شریعت کو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی معرفت بھیجا ہے اس کا پوری طرح پاس و لحاظ کیا جائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تاریخ اسلام کا نادر الوجود واقعہ نہیں ہے، ان سے بھی بڑے بڑے صحابہ اور اس سے بھی اعلیٰ مقاصد کیلئے شہید ہوئے مگر رسول ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ان کے تابعین اور ائمہ عظام نے سال بھر ان کے تذکرہ شہادت کی محفلیں منعقد نہیں کیں، نہ ان کی برسی منائی، نہ ان پر سالانہ عز و ماتم کا کوئی سلسلہ جاری کیا، حادثہ کربلا کے بعد ہی کے پیداوار ائمہ کرام امام حسن بصری، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ اجمعین اور دیگر ائمہ و اولیاء و بزرگان دین ہیں، کیا ان حضرات نے بھی اس حادثہ کے سلسلے میں وہ سب کچھ کیا جو آج کیا جا رہا ہے؟ یا وہ سب کچھ کرنے کو کہا جس کا اس مہینہ کے شروع ہوتے ہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

تاریخ کی معتبر کتابوں پر ایک نظر ڈال کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ تمام رسومات محض بدعات و خرافات کے سوا کچھ نہیں، جسے سماج اور معاشرہ میں آل بیت اور خانوادہ رسول ﷺ سے محبت اور تعلق کے نام پر فروغ دیا گیا، تاکہ مسلمانوں کے دین و ایمان کو عقیدت و محبت کے نام پر بآسانی خراب کیا جاسکے، یہ تمام رسومات ۳۵۲ھ کے شروع ہونے پر معز الدولہ احمد بن بویہ دیلمی نے ایجاد کیا جو غالی درجے کا رافضی تھا، اسی نے حکومتی سطح پر یہ حکم صادر کیا کہ ۱۰۰۰ محرم کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے نعم میں دکانیں بند رکھی جائیں، بیع و شراء بالکل موقوف رہے، شہر و دیہات کے لوگ ماتمی لباس پہنیں اور علانیہ نوحہ کریں، عورتیں اپنے بال کھولے ہوئے، چہروں کو سیاہ کئے ہوئے، کپڑوں کو پھاڑتے ہوئے سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی، منہ نوحتی، چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں اور یہ حکم شیعہ و سنی سب پر لاگو کیا گیا، جس کی وجہ سے شیعہ سنی فسادات برپا ہوئے، مگر آج غیروں کی دسیسہ کاریوں سے بے خبری کی بنا پر اہل سنت کی بہت بڑی تعداد ان رسوم و رواج اور بدعات و خرافات کا شکار ہو چکی ہے۔

ان خرافات کی اب تو صورتحال یہ ہو گئی ہے کہ محرم کا مہینہ شروع ہوتے ہی معرکہ کربلا کا ذکر شروع ہو جاتا ہے، اسٹیج سجتے لگتے ہیں اور یہ صرف شیعوں ہی کے حلقے میں نہیں بلکہ خرافات سے خود کو مستثنیٰ سمجھنے والے حلقوں میں بھی بڑا زور و

شور پیدا ہو جاتا ہے، اور اپنے آپ کو بڑے علماء میں شمار کرنے والے بھی فضائل محرم و کربلا سے متعلق بے سرو پیر روایات کو پورے زور و قوت سے بیان کرتے نظر آتے ہیں اور پورا عشرہ تقاریر کا سلسلہ چلتا ہے اور بحث و بیان کی محفلیں جمتی رہتی ہیں چہ جائیکہ وہ بیان کردہ روایات بے بنیاد ہوں اور بیان خلاف تحقیق ہو، اور مرثیہ خوانی کی جاتی ہے اس میں دیگر صحابہ کی برائیاں کی جاتی ہیں جیسے جلیل القدر صحابہ ابو بکر، عمر، عثمان، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ لوگ معاذ اللہ گالیاں دیتے ہیں، انہیں ہدف جرح و تنقید، لعن و ملامت بنایا جاتا ہے اور ان کو برے برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں (اعاذنا اللہ منہ) جبکہ پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان ہے:

”لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي؛ فَإِنْ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ“

”میرے صحابہ پر سب و شتم نہ کرو (یعنی انہیں جرح و تنقید اور برائی کا ہدف نہ بناؤ، انہیں اللہ نے اتنا بلند رتبہ عطا فرمایا ہے) کہ تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ صحابی کے خرچ کردہ ایک مد (تقریباً چھ سو گرام) بلکہ آدھے مد (تین سو گرام) کے برابر بھی نہیں ہو سکتا ہے“ [صحیح بخاری: ۳۶۷۳]

محرم کی دسویں تاریخ کے بارے میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں کہ اس دن جو شخص اپنے اہل و عیال پر فرانی کرے گا اللہ پورے سال اس پر فرانی کرے گا وغیرہ وغیرہ تو یہ سب باتیں بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ۱۰ محرم کو خاص کھانا پکانا، توسیع کرنا وغیرہ من جملہ ان بدعات و خرافات سے ہے جو نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے، نہ خلفاء راشدین سے اور نہ ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اس کو مستحب سمجھا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

”مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ“

”جس نے ہمارے اس دین میں نئی چیز ایجاد کی تو مردود ہے“ [صحیح بخاری: ۲۶۹۷]

یہ بات ہرگز نہ بھولیں، اس حدیث کو ذہن میں رکھتے ہوئے آج کے ان رسومات کی طرف دیکھیں تو یہ چیزیں صرف بدعت ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ شرک اور بت پرستی میں آ جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا سوائے شرک کے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

”بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے

چاہے گا“ [النساء: ۴۸]

یہ تمام چیزیں بت پرستی میں آ جاتی ہیں کیونکہ:

تذریعے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو موجود اور انہیں عالم الغیب سمجھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ ان تعزیوں کو قابل تعظیم سمجھتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں، حالانکہ کسی بزرگ کی روح کو حاضر و ناظر جاننا اور عالم الغیب سمجھنا شرک و کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾

”وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چھپی اور کھلی چیز کو جاننے والا ہے“ [الحشر: ۲۲]

تذریعہ پرست تعزیوں کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوتے ہیں، جو سجدے ہی کے معنی میں آتا ہے، اور کئی لوگ تو کھلم کھلا سجدے کرتے ہیں حالانکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا چاہیے وہ تعظیمی ہو یا تعبدی ہو شرک صریح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾

”نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا، اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے

ہو“ [فصلت: ۳۷]

تذریعہ پوجنے اور بنانے والے لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مصنوعی قبر بناتے ہیں، اور اس کی زیارت کو ثواب سمجھتے ہیں، اسی طرح تلواروں سے خود کو زخمی کرنا اور آگ پر ننگے پاؤں چلنا یہ سب کام ناجائز، حرام اور جاہلیت کے کاموں میں سے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”جس نے منہ پیٹا، گریبان چاک کیا اور جاہلیت کے بین کئے وہ ہم میں سے نہیں“ [صحیح بخاری: ۱۲۹۴]

نیز فرمایا: ”نوحہ کرنے والی عورتیں اگر توبہ کرنے سے پہلے مرجائیں تو انہیں قیامت کے دن خارش قمیص اور

گندھک کا جامہ پہنا کر کھڑا کیا جائے گا“ [صحیح مسلم: ۹۳۴]

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب بدعات و خرافات غیر شرعی بلکہ شرکیہ اعمال ہیں اور قرآن و حدیث میں کہیں بھی ان کا ذکر نہیں ہے، صحیح تاریخی حوالوں کی روشنی میں دور دور تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

بہت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ان بدعات و خرافات میں اہل سنت کے علماء و عوام کا بھی ایک حلقہ داخل ہے جو شعوری یا غیر شعوری طور پر شیعیت کے مسموم اثرات سے متاثر ہیں، اور ان کا طرز فکر و عمل رفض و تشیع کے فروغ کا باعث ہے۔ ہدایہ اللہ

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ماہ محرم الحرام کا پیغام سمجھنے اور بدعات و خرافات سے اجتناب کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

NEW
ONLINE
COURSE

MEERAS COURSE

on:
zoom
app

تقسیم وراثت کے اسلامی اصول

STUDY
TAQSEEM-E-VIRASAT
KE ISLAMI USOOL

With Shaikh Kifayatullah Sanabili

Course Duration: 15 Sundays

ان شاء اللہ کورس کا آغاز: بروز اتوار ۱۳ ستمبر ۲۰۲۰ء
وقت: بعد نماز عصر ۵ بجے سے ۶ بجے تک

In Sha Allah Starting From 13th September (Sunday)
Timing : 5 pm to 6 pm On Sunday

Notes : Urdu, English, Roman

Limited Seats | Registration Compulsory



Complete Course
With Certificate : 300/-

Call & Whatsapp : Brothers: 8291063785 | Sisters:8828954856

Agar Aap Chahte Hain Ki Virasat Ki Taqseem Quran wo Sunnat Ke Qanoon Par Ho. Meeras Ki Taqseem Mein Chori Band Ho, Auraton, Yatimon, Bewaon Ke Saath Insaaf Ho.....To Is Course Ka Hissa Banen

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge, Welcome to Understanding"

Gala No.6, Swastik Chambers,
Below Kuria Nursing Home, Opp. Noorjhan-1,
Pipe Road, Kuria (W), Mobile : 8080807836

Andheri Bakery Compound,
Opp. Surbhi Vada Pav, Andheri Station Road
Jama Masjid, Andheri (W), Mobile : 8080801882

Shop No. 9, Yadav Nagar,
Near Masjid Sirajul Uloom, Khairani Road,
Sakinaka-72, Mobile : 7710007943

iic mumbai mumbaiiic mumbaiiic iic mumbai official iic mumbai

اسلامک انفارمیشن سینٹر کا انفردی دعوتی شعبہ

کرلا، اندھیری، سما کی تاکہ سینٹر پر علماء کے
 روبرو بیٹھ کر اپنے دینی سوالوں کے جواب پائیں۔

اسلامک انفارمیشن سینٹر
 کا دعوتی ڈیسک



واٹس ایپ
 اسلام ہیلپ لائن

808080 1882

مذکورہ نمبر پر اسلام کے متعلق کوئی بھی سوال
 پوچھیں اور دلیل کے ساتھ جواب حاصل کریں۔

وراثت، نکاح، طلاق، ودیگر اہم تحریری سوالوں کے
 جواب تحریری شکل میں سینٹر سے حاصل کریں۔

تحریری
 فتاویٰ



تین اسلامی ہیلپ لائن نمبرز پر فون سے رابطہ کر کے
 اسلامی سوالوں کے جواب حاصل کریں۔

808080 7836, 808080 1882, 771000 7943



Welcome to Knowledge, Welcome to Understanding

Gala No. 6, Swastik Chambers,
 Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjahan-1,
 Pipe Road, Kurla (W), Phone : 02226500400

Andheri Bakery Compound,
 Opp. Surbhi Vada Pav, Andheri Station Road
 Jama Masjid, Andheri (W), Mobile : 8060801882

Shop No. 9, Yashwanagar,
 Near Masjid Sirajul Uloom, Khairani Road,
 Sakinaka-72, Mobile : 7710007943

[iic mumbai](#)
[mumbaiic](#)
[mumbaiic](#)
[iic mumbai official](#)
[islamsmessage](#)
[iic mumbai](#)

www.islamsmessage.com
[Islamic Messages 70457 88257](https://www.instagram.com/mumbaiic)
[Helpline No. 808080 1882](https://www.facebook.com/mumbaiic)
[Question & Answers 022 26500 400](https://www.youtube.com/channel/UCQ...)

If Undelivered Please Return To



AhluSunnah

To,

Book Post

iC Islamic Information Centre

Gala No. 6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
 Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
 Phone : 8080807836, 8080801882